www.urducouncil.nic.in

دسمبر 2016، قیمت:- /10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہنامہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو نئی سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066 فون: 26109746 فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:4 شمارہ:12 دسمبر 2016

مدیر : پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر :ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages:64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز:110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون:040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	ادارہ	05
مضمون	آیا کرسمس پیارا	بانو سرتاج	06
نظمیں	خوشبو	کوثر جہاں کوثر	10
	سردی آئی	فریاد آزر	11
مضمون	اکیسویں صدی میں مجونودیوی کی کہانی	انیس الحسن صدیقی	12
یوم پیدائش پر	بیباک صحافی ومجاہد آزادی	ایم رفیق	16
نظم	میری سہیلی	ایم یوسف انصاری	19
کہانیاں	مرغی کی چوری	صبیحہ انور	20
	اتفاق میں برکت ہے	ابوبکر عرب	23
	میری ماں	ایمن تنزیل	28
نظمیں	ہندستانی بچوں کا گیت	محمد افضل خان	30
	یادوں کا البم	شعیب رضا فاطمی	31
کھیل اور کھلاڑی	ٹسٹ کرکٹ میں ٹرپل سنچریاں	سید پرویز قیصر	32
کہانی	ٹوپی والا	محمد فروغ جعفری	36
نظم	نادان کتا	ساجد بدر	38
قسط وار داستان	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	39
کہکشاں	چمن چمن کے پھول		49
	میرا بھارت مہان	قاضی اکرام الدین	50
	اچھی باتیں	انصاری ندا تحریم ساجد حسین	50
	الجزری... ایک عظیم انجینئر	جنید عبدالقیوم شیخ	51
	میرا مقصد		52
	اقوالِ زریں	ندا پروین محمد انیس باغوان	53
	ہنسی کے غبارے		55
ننھے فنکار	مغرور بطخ	سارہ ایمان	56
کتابوں کی سیر	بچوں کا کتب خانہ	حقانی القاسمی	58
ننھے فنکار	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! سال کا آخری مہینہ آ گیا ہے اور اب سردیاں بھی شروع ہوگئی ہیں۔ سردیوں کا موسم سبھی کو ویسے بھی پسند ہوتا ہے۔ اس موسم کو صحت کے نقطہ نظر سے بھی اچھا مانا جاتا ہے۔ اس مہینے میں کرسمس کا تہوار بھی ہے جو ہمارے عیسائی بھائیوں کے لیے بہت ہی متبرک اور مبارک ہے۔ بچوں کے لیے یہ تہوار خصوصاً اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس تہوار کی صبح بچے سینٹا کا انتظار کرتے ہیں جو بچوں کے لیے رات میں ڈھیر سارے تحفے اور چاکلیٹ لاتا ہے اور چپکے سے ان کے تکیوں کے نیچے رکھ دیتا ہے۔

خوشیاں منانے کے ساتھ اپنے محاسبہ کا بھی مہینہ ہے کہ ہم نے اس سال کیا کھویا اور کیا حاصل کیا۔ آپ سب نے بھی اس سال اپنی زندگی کے تئیں کچھ فیصلے ضرور کیے ہوں گے۔ اب دسمبر میں ان سب فیصلوں اور نتائج پر غور کریں کہ آپ نے اس سال کو کس قدر بہتر کاموں میں گذارا ہے اور کتنا وقت آپ کا برباد ہوا ہے۔ وقت کے صحیح استعمال کرنے اور اپنے کاموں کو وقت کے حساب سے تقسیم کرنے کا طریقہ ٹائم مینجمنٹ کہلاتا ہے۔ ہر انسان کو زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے وقت کے درست استعمال کی ضرورت پڑتی ہے۔ کچھ لوگ وقت کا صحیح استعمال کر کے کامیابی حاصل کر لیتے ہیں تو کچھ لوگ وقت کو برباد کر کے اپنی قسمت پر روتے ہیں۔ گیا وقت کبھی ہاتھ نہیں آتا۔ اس لیے آپ بھی اپنی تعلیم، کھیل کود اور روزمرہ کے کاموں کو بہتر ڈھنگ سے انجام دینے کے لیے وقت کی بہتر تقسیم کریں اور زندگی کے مقاصد میں کامیاب ہوں۔

آپ سب ابھی اپنی زندگی کے سنہرے دور سے گذر رہے ہیں۔ بچپن اور اسکول کا زمانہ زندگی کا سب سے قیمتی زمانہ ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب آپ سے زیادہ آپ کی فکر آپ کے گھر والوں کو ہوتی ہے اس لیے اپنے والدین کی باتوں پر عمل کریں اور اپنے بڑوں کی باتیں ضرور سنیں۔ وہ جو بھی کہتے ہیں اس میں آپ کی بہتری ہوتی ہے۔ آج کل ساری دنیا اسمارٹ فون کی دیوانی ہوتی جا رہی ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ یہ فون ہماری زندگی کا لازمی حصہ بن گئے ہیں اور ان سے ہمیں بہت سارے فائدے ہیں لیکن کہیں نہ کہیں ان سے نقصانات بھی ہو رہے ہیں۔ اب لوگ سچے دوستوں کی بجائے انٹرنیٹ پر دوست تلاش کرنے لگے ہیں، کتابوں کی بجائے فون سے جانکاریاں حاصل کرنے لگے ہیں۔ اب تو حال یہ ہے کہ گھروں میں ماں باپ اور بچے سب اپنے اپنے فون پر مصروف ہوتے ہیں اور آپس میں کم بات چیت ہوتی ہے جس سے انسان اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ لوگ ذہنی تناؤ، سر درد اور آنکھوں کی مختلف بیماریوں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ موبائل فون بہت کارآمد چیز ہے لیکن آپ سب فون سے زیادہ کتب بینی پر توجہ دیں کیوں کہ موبائل سے معلومات تو فراہم کی جا سکتی ہیں لیکن کتابیں آپ کو عالم و فاضل بناتی ہیں۔ کتابوں کا علم کبھی آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا بلکہ آپ جو پڑھیں گے وہ زیادہ دنوں آپ کے ذہن میں نقش رہے گا۔

'بچوں کی دنیا' میں اس ماہ سے ایک نیا کالم 'بچوں کا کتب خانہ' شروع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اسے پسند کریں گے۔ آپ کے مشوروں اور تاثرات کا ہمیں انتظار رہتا ہے۔ اب آپ بچوں کی دنیا پڑھیں اور ہمیں اپنی رائے ضرور بھیجیں۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

محترم 'اردو دنیا' کا قاری ہونے کی بنا پر 'بچوں کی دنیا' سے بھی تعارف ہوا۔ اب میں یہ رسالہ اپنی دو سالہ بیٹی (عفیفہ) کے لیے منگوا رہا ہوں۔ دعا کریں یہ تعلق یوں ہی برقرار رہے۔ اس رسالے کے تمام کالم ہر عمر کے بچوں کے لیے مفید ہیں۔ میں دیگر ادبی مضامین کے برعکس زبان، لسانیات اور متنوع معلومات سے متعلق شائع مضامین کا دلچسپی سے مطالعہ کرتا ہوں۔ نیا کالم 'ہماری زبان' (میرے نزدیک خصوصاً) اردو دانوں کے لیے بہت مفید اور کارآمد ہے۔ اس کالم کو جاری رکھیں تاکہ اردو کا تلفظ و املا بھی درست رہے اور اردو کا تحفظ بھی ہو۔

فرقان احمد اختر حسین، سرکاری اردو ہائر پرائمری اسکول، I، سوموار بازار، کرناٹک

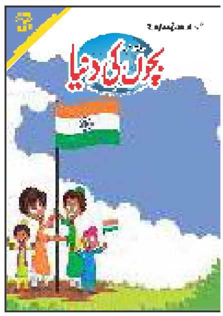

میں 'بچوں کی دنیا' کا ایک نیا قاری ہوں۔ رسالہ کو جدید معلوماتی مضامین سے مزین کرنے اور بچوں کے لیے دلچسپی کا سامان مہیا کرنے کے لیے آپ کی کاوشیں قابل ستائش ہیں۔ رسالہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے 'برائٹ کوچنگ سنٹر' میں زیر تعلیم بچوں کے لیے اس کی کاپیاں منگواتا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ ہمارے ساتھی استاد بھی اس کے مستقل خریدار بن چکے ہیں۔ یقیناً یہ ایک ایسا معیاری رسالہ ہے جو سرورق کی خوب صورتی و تزئین کاری، عمدہ صفحات و معیاری جلد سازی کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کی معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

محمد گلزار عالم، ریل پار، جہانگیری محلّہ، کے ٹی روڈ، آسنسول

آپ کی ادارت میں بچوں کا ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بہتر سے بہتر کی جانب گامزن ہے۔ اس وقت میرے سامنے ماہ ستمبر کا شمارہ ہے۔ یہ رسالہ صرف بچوں کا پسندیدہ رسالہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ آپ بچوں کی ذہنی اور اخلاقی نشو و نما کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اس سے بچوں کی معلومات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ کہکشاں میں اشعار کا معیار بھی بہت پسند آیا۔ سچ میں اس رسالے کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

مسکان بی سید خالق، الحسنات اردو جونیئر کالج رسل پور، جنگاؤں، مہاراشٹر

مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ میں اسے ہر ماہ پڑھتا ہوں۔ یہ بچوں کی ہی نہیں بڑوں کی بھی دنیا ہے۔ اس میں بہت سی ایسی معلومات ہوتی ہیں جو بڑوں کے بھی مطالعہ میں نہیں آتیں۔

محمد احمد ابن حافظ قربان صاحب، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

بانو سرتاج

عیسائی مذہب کے ماننے والے تمام دنیا کے افراد کا سب سے پیارا تہوار ہے کرسمس۔ حضرت عیسیٰ مسیح کی پیدائش کے دن 25 دسمبر کو کرسمس منایا جاتا ہے۔

'کرائس ٹس ماییئے' اور 'کرائس ٹس ماس' سے مل کر کرسمس لفظ وجود میں آیا ہے۔ عیسیٰ مسیح کو انگریزی میں کرائسٹ کہا جاتا ہے۔ ان کی سالگرہ پر چرچ میں اجتماعی عبادت ہوتی ہے۔ وہ کرائسٹ ماس کہلاتی ہے۔ کرائسٹ اور ماس مل کر کرسمس لفظ بنا اور آج یہی لفظ تمام دنیا کے سب سے بڑے تہوار کی نمائندگی کرتا ہے۔

مانا جاتا ہے کہ سب سے پہلا کرسمس 336 عیسوی میں روم میں منایا گیا۔ چوتھی صدی میں روم کے شہنشاہ کانسٹے ٹائن نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اس کے ساتھ ہزاروں لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہوئے۔ انھوں نے عیسیٰ مسیح کی سالگرہ کو تہوار کی طرح منانا شروع کیا مگر مشکل یہ ہوئی کہ پیدائش کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہونے سے الگ الگ مقامات پر الگ الگ تاریخوں میں سالگرہ منائی جاتی تھی...۔ 6 جنوری، 28 مارچ، 19 اپریل، 20 مئی، 17 نومبر، 25 دسمبر تاریخیں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا دن مانا جاتا تھا۔ 337 عیسوی میں روم کے بشپ نے فتویٰ جاری کر دیا کہ حضرت عیسیٰ کی سالگرہ متفقہ طور پر ایک ہی دن منائی جائے گی۔ بشپ جولیس اوّل نے 350 میں 25 دسمبر کو کرسمس کا دن طے کر دیا۔ اُسے رومن کیلنڈر میں درج کر لیا گیا۔

ابتدا میں مذہب کے رکھوالے اس دن کو قبول نہیں کر پائے کیونکہ اس وقت تک رومن، 25 دسمبر کو سورج دیوتا کی سالگرہ مان کر اس کی پوجا کرتے تھے۔ سورج کی پوجا شاہی تہوار تھا اور پوجا شاہی پوجا۔

عیسائی مذہب کی تبلیغ کے ساتھ چوتھی صدی میں 25 دسمبر کو کرسمس مان لیا گیا۔ یہ کہہ کر عیسیٰ مسیح سورج کے اوتار ہیں۔

پانچویں صدی میں یروشلم میں جو کرسمس تسلیم کی جانے لگی، یہ الگ بات تھی۔ کرسمس قبول کر لیا گیا، مگر مخالفت پھر بھی ہوتی رہی۔

تیرہویں صدی میں پروٹسٹنٹ تحریک نے کرسمس کیرول پر بندش لگا دی۔

سن 1644 کو انگلینڈ نے 25 دسمبر کو Fast Day یعنی روزہ کا دن منانے کا اعلان کر دیا تاکہ لوگوں کے کھانے پینے پر پابندی لگ جائے۔ 1690 میں بوسٹن میں کرسمس تہوار ہی خارج کر دیا گیا۔

آخرکار 1836 میں امریکہ میں کرسمس کو قانونی حق ملا۔ 25 دسمبر کو کرسمس کی عام تعطیل کا اعلان کیا گیا جسے تمام دنیا کے عیسائیوں نے سرآنکھوں پر لیا۔

عام طور پر کرسمس کی تیاریاں ایک ماہ پہلے سے شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ عرصہ زمانہ بشارت یا Advent کہلاتا ہے۔ 30 نومبر کے بعد جو سب سے پہلا اتوار آتا ہے وہ advent کا پہلا دن مانا جاتا ہے اور آخری اتوار آخری دن۔

پہلے اتوار سے کرسمس کا تہوار شروع ہوتا ہے—روزے رکھے جاتے ہیں، نماز پڑھی جاتی ہے۔ پہلے دن حضرت عیسیٰ کے بارہ خاص شاگردوں میں سے سینٹ اینڈریو کے نام پر دعوت ہوتی ہے اور آخری دن Midnight Mass یعنی آخری دعوت پر کرسمس کا تہوار اختتام کو پہنچتا ہے۔

کرسمس میں مکان، دکان، چرچ، سڑکوں کو سجاوٹ پر خاص دھیان دیا جاتا ہے۔ چاروں طرف بجلی کے قمقموں سے رات بھی دن کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔ جگہ جگہ عیسیٰ مسیح کی پیدائش کا واقعہ مورتیوں کے ساتھ ساتھ تیار کیا جاتا ہے۔ جہاں مدر میری (مریم) کی گود میں شیر خوار عیسیٰ مسیح، آسمان سے زمین پر آتے فرشتے... تین خاص ہستیاں، گڈریا اور بھیڑوں کی مورتیاں سجائی ہوئی نظر آتی ہیں۔

کرسمس ٹری (درخت) گھر گھر میں سجایا جاتا ہے۔ اسے سجانے میں گھر کے بڑے بچے سب نہایت جوش و خروش سے شامل ہوتے ہیں... بچے سانتا کلاز کی آمد اور ان کے تحائف کی راہ دیکھتے ہیں۔ تحائف ملنے پر خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔

کرسمس پر ایک دوسرے کو مبارکباد دی جاتی ہے۔ گریٹنگ کارڈ بھیجے جاتے ہیں۔ سب سے پہلا گریٹنگ کارڈ 1844 میں تیار ہوا تھا۔ 1870 تک گریٹنگ کی روایت پوری دنیا میں ہو چکی تھی۔

مختلف ممالک میں کرسمس مختلف طریقوں سے منایا جاتا ہے۔ عبادت کرنا، چرچ میں اکٹھا ہو کر دعائیں کرنا، خوشیاں منانا، کرسمس ٹری گھر میں سجانا، سانتا کلاز کی آمد کا انتظار کرنا سب جگہ ہوتا ہے مگر ان کے علاوہ ہر ملک کی اپنی کچھ خاص روایتیں اور خصوصیات ہیں۔ جیسے:

- جاپان کا Chrisona Celebration بے حد مشہور ہے۔ سجاوٹ کے لیے ہزاروں لاکھوں بجلی کے بلب استعمال کیے جاتے ہیں۔ دور دراز کے مقامات سے لوگ یہ سجاوٹ دیکھنے آتے ہیں۔
- انگلینڈ میں بچے بے صبری سے سانتا کلاز کا انتظار کرتے ہیں۔ رات کو اپنے اسٹاکنگس اور تکیہ غلاف پلنگ کے نزدیک رکھ کر سوتے ہیں۔ سویرے جب ان میں سانتا کلاز کے دیے ہوئے تحفے پاتے ہیں تو بے حد خوش ہوتے ہیں۔ بچے سال بھر مٹی کے گلک میں پیسے جمع کرتے ہیں اور انھیں کرسمس کے موقع پر توڑتے ہیں۔ روپے خرچ کرتے ہیں۔ کرسمس کے دن بشپ بوائے کا انتخاب ہوتا ہے۔ کرسمس کے دوسرے دن کو باکسنگ ڈے

Boxing Day کے طور پر مناتے ہیں۔

- اسپین میں کرسمس کی رات میں 'جوٹا' نامی رقص کیا جاتا ہے۔صدیوں سے اس رقص کی روایت چلی آرہی ہے۔ موسیقی کے سازوں میں گٹار اور کاسٹانیٹس مقبول ساز ہیں جو بجائے جاتے ہیں۔

بچے اپنے جوتے آنگن میں رکھ دیتے ہیں اور سانتا کلاز چپکے سے اُن میں تحفے رکھ جاتا ہے۔

- آسٹریلیا میں کرسمس پر 'پلم پڈنگ' خاص ڈش ہے۔ اکثر پڈنگ میں سکے رکھ دیے جاتے ہیں جنھیں یہ سکے ملتے ہیں وہ خوش قسمت سمجھے جاتے ہیں۔
- روس میں سانتا کلاز 'بابوشا' کہلاتا ہے۔ جو بچوں میں تحفے تقسیم کرتا ہے۔ بچوں کے لیے کرسمس کے دن کا مزا سانتا کلاز کی آمد اور تحفوں میں ہوتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق کرسمس کے دن گھوڑوں کو گھاس پھوس کے گدوں پر کھڑا کرکے ان کی خدمت کی جاتی ہے۔ انھیں بہترین غذا دی جاتی ہے۔
- افریقہ میں کرسمس کی صبح 'پربھات پھیری' کی طرز پر لوگ افریقی زبان میں کیرول گاتے ہوئے چرچ پہنچتے ہیں۔ دسمبر فصل کٹائی کا مہینہ ہوتا ہے۔ لوگوں کی جیب میں پیسے ہوتے ہیں، خوب خرچ کرتے ہیں۔ دل کھول کر خیرات بھی کرتے ہیں۔
- لیٹن امریکہ میں آتش بازی کرسمس کے تہوار کا خاصہ ہے۔ آتش بازی کے ساتھ رقص و موسیقی میں وقت گزارا جاتا ہے۔
- کولمبیا میں سات دسمبر سے کرسمس کی تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں۔ سجاوٹ کی جاتی ہے۔ عبادت ہوتی ہے... کرسمس کے دن Christmas Carole اور Display of lights یعنی آتش بازی کے مقابلے ہوتے ہیں۔

25 دسمبر کو ہی Day of Innocents منایا جاتا ہے۔

❖ برازیل میں کرسمس پر مکان کی سجاوٹ کے مقابلے ہوتے ہیں۔ باقاعدہ جج بنائے جاتے ہیں جو محلے محلے گھوم کر مکانوں کی سجاوٹ کا معائنہ کرتے اور انعام کسے دیا جائے یہ طے کرتے ہیں۔ برازیل میں سانتا کلاز پانو ایل کہلاتا ہے۔ یہاں عیسیٰ مسیح کی پیدائش کی جھانکیاں اور نظارے بے حد عمدہ بنتے ہیں۔ انھیں دیکھنے کے لیے لوگوں کا ہجوم اُمڈ پڑتا ہے۔

❖ میلبورن میں موم بتیوں سے سجاوٹ کی جاتی ہے۔ موم بتی کی روشنی ہی میں کیرول گائے جاتے ہیں۔

❖ فلپینس میں کرسمس سب سے زیادہ مدت یعنی 16 دسمبر سے 25 دسمبر تک منایا جاتا ہے۔ اکثر تو تقریبات جنوری کے پہلے اتوار تک چلتی ہیں۔

راجدھانی منیلا میں قلم مہوتسو چلتا ہے۔ فلوٹ پریڈ (Float Parade) مڈنائٹ ڈنر (Mid night Dinner) کے ساتھ لوگوں کا جوش وخروش بڑھتا جاتا ہے۔ اسکولوں اور تعلیمی اداروں کے ساتھ 'دوسری انجمنیں' بھی مختلف پروگرام تیار کرکے خوشیاں مناتی ہیں۔

تمام ہفتہ لوگ چیریٹی یعنی خیرات بھی اسی جوش سے کرتے ہیں، جس جوش سے مقابلوں میں حصہ لیتے ہیں۔

❖ ڈیوریچ شہر میں کرسمس کے دن Fairy Tale Train (فیئری ٹیل ٹرین) چلائی جاتی ہے جس میں بچوں کو مفت سواری کرائی جاتی ہے۔ انھیں چاکلیٹ اور مٹھائی بھی دی جاتی ہے۔

❖ سوئزرلینڈ میں 6 دسمبر کو Feast of Saint Nicolas دی جاتی ہے۔ گھروں میں افرادِ خانہ اکٹھے بیٹھ کر ایک فرشتہ کا انتظار کرتے ہیں۔ روشنیاں گل کردی جاتی ہیں۔ فرشتہ چاندی کی گھنٹی بجاتے ہوئے گھر میں داخل ہوتا ہے تو سب بلب جلا دیے جاتے ہیں — فرشتہ سب کو تحائف تقسیم کرتا ہے۔

کرسمس میں Midnight mass میں تمام لوگ شریک ہوتے ہیں۔ کرسمس کیرول گاتے ہوئے نوجوان شہر میں گھومتے ہیں۔

❖ بھارت میں کرسمس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ عیسیٰ مسیح کے بارہ خاص شاگرد تھے۔ ان میں سے ایک سینٹ تھامس 52 عیسوی میں عرب سمندر کو پار کرکے جنوبی ہند کے مالابار کنارے پر پہنچے۔ یہ حصہ اب کیرالا کہلاتا ہے۔ سینٹ تھامس نے یہاں سیریائی طرز کے گرجا گھر تعمیر کرائے اور ان میں سیریائی رواجوں کے مطابق پوجا شروع کی۔ لاکھوں لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ یہ لوگ سیریائی عیسائی کہلاتے ہیں۔ یہ بھارت میں عیسائیوں کی پہلی بستی تھی۔ بھارت میں گوا، تامل ناڈو، پوڈی چیری، میگھالیہ، ناگالینڈ، مزورم کے ساتھ تقریباً تمام ہندوستان میں کرسمس کا تہوار منایا جاتا ہے۔ چرچ میں عبادت ہوتی ہے۔ کیرول گائے جاتے ہیں۔ کرسمس ٹری سجائے جاتے ہیں۔ سانتا کلاز کا انتظار کیا جاتا ہے... غرضیکہ خوب خوشیاں منائی جاتی ہیں جن کا اختتام 6 جنوری کو ہوتا ہے۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ 6 جنوری ہی کو فرشتوں نے آسمان سے اُتر کر انھیں دعائیں دی تھیں۔

■

Dr. Bano Sartaj
Opposite Akashwani, Civil Lines
Chandrapur - 442401 (Maharashtra)

کوثر جہاں کوثر

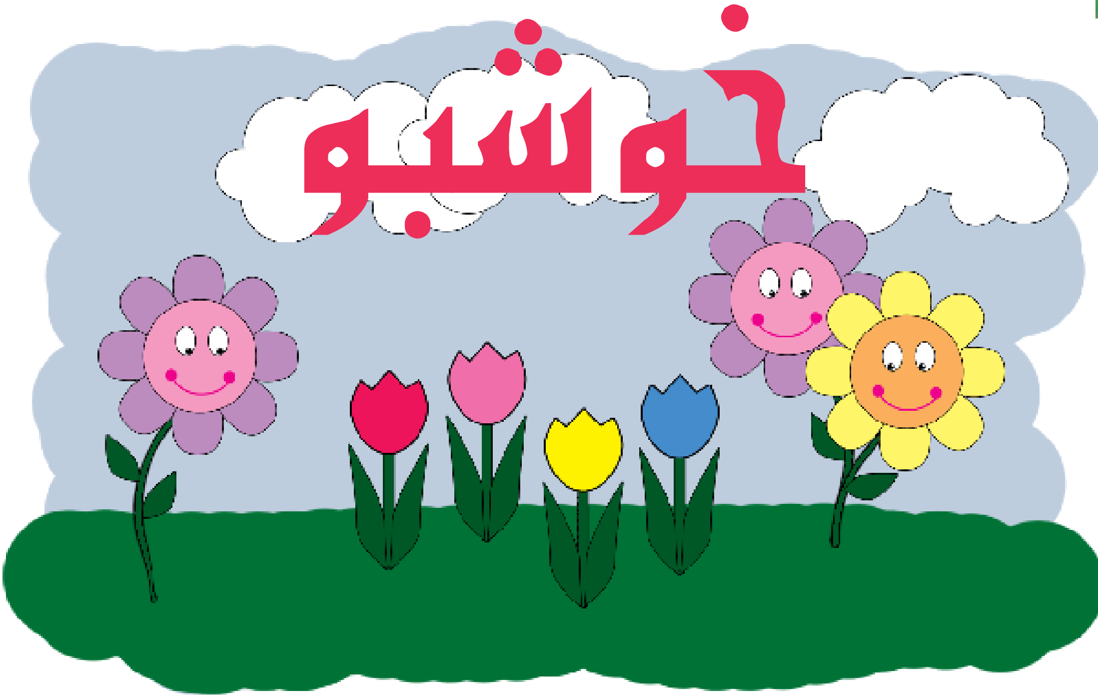

دیکھو میری نزاکت
نہیں رات کی رانی
نہ ہوں چمپا چنبیلی
میرے ساتھی سہیلی
میری خوشبو آوارہ
عشق پیچاں نہیں میں
مری خوشبو چمن میں
گلی کوچوں یہ مہکے
میری خوشبو انوکھی

دیکھو میری نفاست
میری خوشبو دیوانی
نہ میں چھیل چھبیلی
بیلا، چمپا چنبیلی
پھرے آنگن چوبارہ
کورو پانڈو نہیں میں
پھیلے بگیا میں بن میں
اسے سونگھے جو بہکے
میرا نام ہے جوہی

معانی:

عشق پیچاں: سرخ نازک پھول
کورو، پانڈو: کاسنی رنگ کی خوب صورت بیل والا پھول۔ پنچ
پنکھڑیاں اندر اور سو پنکھڑیاں باہر دائرے میں

Prof. Kausar Jehan Kausar
H.N.: 786, New Colony
Khana Saon, Viproad
Bhopal - 462001 (MP)

فریاد آزر

نظم

سردی آئی

سورج نے بھی اوڑھی رضائی
سردی آئی! سردی آئی!

سب لوگوں میں مچی دہائی
سردی آئی! سردی آئی!

کوّا بولا کائیں کائیں
بلی بولی میاؤں، میاؤں

چوہا بولا دھوپ نہیں ہے
دھوپ آئے تو باہر جاؤں

سویٹر پہنے ہوئے گلہری
کونے میں چھپ کر بیٹھی ہے

اور بندریا کمبل اوڑھے
صوفے پر کیسی اینٹھی ہے

تھر تھر تھر تھر کانپ رہا ہے
بندر بھی سردی کے مارے

مرغا بولا گرمی کے دن
ہم کو لگتے سب سے پیارے

جب آئی اسکول میں چڑیا
چپکے سے وہ بھی چلائی

شور مچانے لگے سبھی پھر
سردی آئی! سردی آئی!

Dr. Faryad Azar,
E-12/60-A, Hauz Rani, Malviya Nagar
New Delhi - 110017

انیس الحسن صدیقی

اکیسویں صدی میں جُونو دیوی کی کہانی سچ!

5اگست 2011 کو جونو خلائی جہاز کیپ کیناورل ایر فورس اسٹیشن سے بذریعہ اٹلس۔پنجم راکٹ خلا کے لیے داغے جانے کا ایک منظر(شکریہ ناسا)

حال ہی میں ناسا (امریکہ کی خلائی ایجنسی) نے خبر دی ہے کہ جُونو خلائی جہاز (spacecraft) جو ہماری دنیا کی سطح سے 5 اگست 2011 کو سیارہ مُشتری کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے کے لیے کیپ کیناورل ایرفورس اسٹیشن سے بذریعہ اٹلس۔پنجم راکٹ داغا گیا تھا وہ 4 جولائی 2016 کو 2.8 ارب کلومیٹر کا سفر طے کر کے سیارہ مُشتری کے گرد مدار میں پہنچ گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کا جُونو دیوی کی کہانی سے کیا تعلق اور سیارہ مُشتری کیا ہے؟

دراصل قدیمی یونان اور روم کی دیومالا کے مطابق دیوتا مُشتری (جو کہ تمام دیوتاؤں کا بادشاہ تھا) نے اپنے گرد اپنی شرارتوں کو چھپانے کے لیے اپنے گرد بادلوں کے پردے ڈالے تھے۔ دیوتا مُشتری کی بیوی (اور بہن) جونُو دیوی تھیں صرف وہ ہی اِن بادلوں میں سے جھانک کر دیکھ سکتی تھیں اور دیوتا مُشتری کی اصلیت کے بارے میں بتا سکتی تھیں۔ اس لیے ناسا نے اپنے خلائی جہاز کا نام جُونو رکھا کیونکہ اس کے ذریعہ ہی سیارہ مُشتری کے پراسرار راز جواب تک معلوم نہیں ہو سکے وہ معلوم ہوں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ سیارہ مُشتری کیا ہے؟

سیارہ مُشتری ہمارے شمسی نِظام کا ہماری دنیا کی طرح پانچواں گیسی سیارہ ہے۔ یہ ہمارے شمسی نظام کے باہری علاقہ میں مُقیم ہے جبکہ ہماری دنیا ہمارے شمسی نظام کے اندرونی علاقہ میں مُقیم ہے۔ یہ ہمارے سورج سے 7782 کروڑ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کا قطر 142,200 کلومیٹر ہے۔ چونکہ اس کا

جُونو خلائی جہاز سیارہ مُشتری کے گرد اپنے مدار میں گردش کرتے ہوئے کی ایک مصنوعی تصویر(شکریہ ناسا)

قطر ہمارے شمسی نظام کے آٹھ سیاروں میں سب سے زیادہ ہے اس لیے یہ سیارہ ہمارے شمسی نظام کے تمام سیاروں کا بادشاہ کہلاتا ہے۔اس کی سطح ٹھوس نہیں ہے بلکہ یہ ہائیڈروجن اور ہیلیئم گیس کا بنا ہوا ہے اور اس کی فضا میں سب سے اُوپر امونیا گیس کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اُن کے نیچے تقریباً 20 کلومیٹر تک امونیا سلفائیڈ گیس کے بادل ہیں اور اُس کے نیچے 30 کلومیٹر تک برفیلا پانی ہے۔اس کی بالائی فضا میں چمکیلی پٹیاں ہیں جو کہ اُٹھتی ہوئی گیسوں کے علاقے ہیں اور جو گہری پٹیاں ہیں، گرتی ہوئی گیسوں کے علاقے ہیں۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ یہ پٹیوں کے رنگ سلفر اور نامیاتی سالموں کی وجہ سے ہیں۔ اس لیے آپ کو یہ سیارہ اپنی دوربین کے ذریعہ پٹیوں والا چمکدار دکھائی دیتا ہے۔ یہ ہمارے سورج کے گرد اپنے مدار میں 11.86 برسوں میں ایک گردش مکمل کرتا ہے یعنی اس کا ایک سال ہمارے کُرّۂ ارض کے 11.86 سالوں کے برابر ہے۔ یہ اپنے محور پر اپنا ایک چکر ہمارے کُرّۂ ارض کے مطابق 9 گھنٹے 55 منٹ اور 30 سیکنڈ میں پورا کرتا ہے۔

اس کے چھوٹے بڑے تمام چاند 65 ہیں۔جن میں چار چاند گلیلیو چاند کے نام سے مشہور ہیں۔ اِن چار چاندوں کو اٹلی کے مشہور ہیئت داں و ریاضی داں گلیلیو گلیئی نے اپنی دوربین کے ذریعہ مشاہدہ کر کے آج سے چار سو برسوں پہلے دریافت کیا تھا۔ گلیلیو گلیئی نے سب سے پہلے اپنی دوربین کے ذریعے مشاہدہ کر کے ہمارے شمسی نظام کے پانچ سیاروں کی جن میں سیارہ مُشتری بھی شامل ہے، پہچان کی تھی ورنہ تب تک ہماری دنیا والے ان پانچ سیاروں کو ستارے سمجھتے تھے اور اسی لیے اِن کے نام یونان اور روم کے قدیم لوگوں نے ان کی پہچان کے لیے اپنی دیو مالا کے مطابق دیوی اور دیوتاؤں کے ناموں پر رکھے تھے جن کی کہانیاں آج بھی مشہور ہیں۔

سیارہ مُشتری کے فضائی بادلوں کے نیچے کیا ہے اور کتنی گہرائی تک کیا کیا ہے یہ معلومات جُونو خلائی جہاز ہماری دنیا کے سائنسدانوں کو متواتر روانہ کرتا رہے گا۔ جُونو خلائی جہاز خاص طور پر سیارہ مُشتری کے اُن چار گلیلیو چاندوں کے بارے میں تمام معلومات بھی پہنچائے گا۔ اس کو ہماری دنیا سے سیارہ مُشتری تک پہنچنے میں تقریباً 5 سال کا عرصہ صرف ہوا ہے کیونکہ کوئی بھی خلائی جہاز سیدھا سفر نہیں کر سکتا ہے بلکہ کچھ عرصہ اپنی دنیا کے مدار میں اس کو چکر لگانا پڑتا ہے اور روز اس کے دنیاوی مدار کو بذریعہ (Propulsion) کے بڑھایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک دن اپنی منزلِ مقصود کے سیارہ کے گرد اُس کی کشش میں پکڑا جاتا ہے تب وہ خلائی جہاز ہماری دنیا کا مدار چھوڑ کر اُس

جُونو خلائی جہاز ناسا کی لیباریٹری میں مکس ہونے کی تیاری کے دوران(شکریہ ناسا)

منزلِ مقصود سیارہ کے گرد گردش کرنے لگتا ہے۔ جُونو خلائی جہاز کی رفتار 2,66,000 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ اس خلائی سفر کے دوران امریکہ کی خلائی ایجنسی کو اس پر 24 گھنٹے روزانہ متواتر نظر رکھنی پڑی ہے۔ اب اس کی رفتار بھی کم کی گئی ہے تاکہ اس کے تمام آلات وہاں آسانی سے اس کے بارے معلومات اور تصویریں حاصل کرسکیں۔ اب یہ سیارہ مُشتری کے گرد مدار میں چکر لگاتے ہوئے ہر تین سیکنڈ کے وقفہ میں اپنی بیپ بیپ کی آواز سے امریکہ کی خلائی ایجنسی ناسا کو اپنے بارے میں متواتر مطلع کرتا رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ جُونو خلائی جہاز کیا ہے یعنی اس پر کَون کَون سے آلات لگے ہیں؟

یہ ایک چھ طرفہ (مُسَدَّس) ڈبہ ہے جس کا قطر 20 میٹر ہے اور اس کی اونچائی 4.5 میٹر ہے (ایک بس کے برابر) اور اس کا وزن 3,625 کلوگرام ہے (1,593 کلوگرام خلائی جہاز کا وزن + 1,280 کلوگرام اس کے مائع ایندھن کا وزن اور 752 کلوگرام اس کے آکسیڈائزر کا وزن)۔ اس میں ایک طرف چھوڑ کر تین سولر پینل لگے ہیں اور ہر ایک پینل کی لمبائی 40 میٹر ہے۔ اس کے تینوں پینل 500 واٹ بجلی بناتے ہیں یعنی 100 واٹ کے پانچ بلبوں کے برابر جو اس کے تمام سائنسی آلات کو چلاتے ہیں۔ دراصل سیارہ مُشتری ہمارے سورج سے ہماری دُنیا کے مقابلہ میں پانچ گُنا دُور ہے اس لیے اس سیارہ کو ہماری دُنیا کے مقابلے میں ہمارے سورج سے تقریباً پچیس فی صدی کم روشنی ملتی ہے۔ جُونو خلائی جہاز پہلا شمسی توانائی کے ذریعہ کام کرنے والا خلائی جہاز ہے جو اتنی دُور کے فاصلہ کے باوجود شمسی توانائی کے ذریعہ کام کر رہا ہے اور اسی لیے اس کے شمسی پینل زیادہ بڑے بنائے گئے ہیں تاکہ وہاں وہ کافی

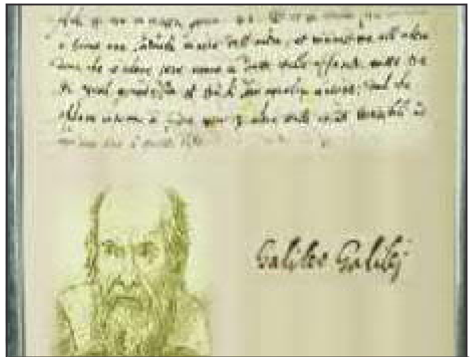

گیلیلیو گیلیلی کے روزنامچے کے ورق کی ایک تصویر جس میں انھوں نے اپنی دوربین کے ذریعہ مشاہدہ کر کے سیارہ مُشتری کے چاندوں کا ذکر کر کے ستاروں کی حیثیت سے لکھا تھا (شکریہ ناسا)

جُونو خلائی جہاز کی تفصیل میں ایک تصویر (شکریہ ناسا)

توانائی پیدا کرسکیں۔ اس کے پینل اس طرح لگائے گئے ہیں تا کہ سیارہ مُشتری کے گرد مداری سفر کرتے ہوئے ہر وقت وہ سورج کے سامنے رہیں اور جُونو خلائی جہاز ایک منٹ میں دو مرتبہ چکر لگائے گا تا کہ اُس کے ہر آلہ کو سیارہ مُشتری کا مطالعہ کرنے کا پورا پورا موقع مل سکے۔

جونو خلائی جہاز میں کیا کیا سائنسی آلات لگے ہیں؟

1. گریوِٹی سائنس اور میگنیٹو میٹرز:

اِن آلات کے ذریعہ سیارہ مُشتری کے گہرائی والے ڈھانچہ کی میدانی کشش اور مقناطیسی میدان ناپا جائے گا۔

2. مائیکروویو ریڈیو میٹر:

سیارہ مُشتری کی گہرائی والی فضا کی تفتیش کرے گا اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس میں پانی کتنا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں آکسیجن کتنی ہے؟

2. جووین اِنرجیٹک پارٹیکل ڈیٹیکٹر اِنسٹرُومنٹ (JEDI) اور جووین اورورل ڈِسٹری بیوشن ایکسپیریمنٹ (JADE):

یہ آلات سیارہ مُشتری کے برقی میدانوں کا نمونہ، پلازما لہریں اور سیارہ مُشتری کے گرد ذرات طے کریں گے کہ اس کا مقناطیسی میدان اس کی فضا سے منسلک ہے اور خاص طور پر قُطبی روشنیاں (Aururas) یعنی شمالی وجنوبی قُطبی روشنیاں۔

4. یوایس وی اور جیرم (USV JIRAM):

ورائے بنفشی (Ultraviolet) کا استعمال کرتے ہوئے اور (Infra-red) کیمرے سیارہ مُشتری کی فضا اور قُطبی روشنیوں کی تصویریں اتاریں گے جس میں وہاں پر موجود گیسوں کی کیمیائی فِنگر پرنٹ شامل ہیں۔

5. جُونو کیمرہ:

یہ کیمرہ سیارہ مُشتری کی رنگین تصویریں قریب سے اُتارے گا۔

اِن تمام آلات کے ذریعہ یہ خلائی جہاز سیارہ مُشتری کے بارے میں تمام معلومات ہماری دنیا کے سائنسدانوں کو روانہ کرتا رہے گا اور فروری 2018 میں یہ اپنا مشن ختم کر کے واپس ہماری دنیا میں آجائے گا۔

■

A.H. Siddiqui
679, Sector - 22B
Gurgaon - 122015 (Haryana)

ایم رفیق

بیباک صحافی و مجاہدِ آزادی: عبدالحمید انصاری

اردو اخبار یا رسالہ جاری کرنا اور پابندی سے چلانا بہت مشکل اور جوکھم بھرا کام ہے۔ صحافت میں قدم رکھنے والے اکثر حضرات لمبے چوڑے خسارے میں رہے۔ ان دردناک حقائق کے باوجود کچھ جیالے ایسے بھی تھے اور ہیں جو اس خاردار زمین میں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ اپنا کام کیے جارہے ہیں۔ آزادی سے قبل کا دور تو صحافت کے لیے مصیبتوں بھرا تھا۔ ان تمام حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کرنے والوں اور اپنی دُھن میں بڑھنے والوں میں ایک نام عبدالحمید انصاری کا ہے۔

انصاری صاحب کے والد حافظ نظام الدین بڑے دین دار، اہل فہم اور شائستہ مزاج کے مالک تھے، روزگار کے مسئلے کے حل کے لیے موصوف بارہ بنکی سے ممبئی تشریف لائے اور مرول کی ایک مسجد میں امامت کرنے لگے۔ اسی علاقے کی ایک شریف خاندان کی لڑکی بنی بیگم سے شادی کی۔ 31 دسمبر 1906 کو ان کے یہاں عبدالحمید انصاری نے جنم لیا اور 10 سال کی عمر میں وہ یتیم ہوگئے۔ گھر میں کمانے والا کوئی نہیں تھا۔ حالات بہت ناگفتہ تھے۔ اس بنا پر انھیں اور ان کے بھائی کو یتیم خانے میں داخل کردیا گیا۔ اس وقت ان کے بڑے بھائی عبدالرحمن کسی کو اطلاع دیے بغیر فوج میں ملازم ہوگئے تھے۔ یتیم خانے میں مزید تعلیم کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے دونوں بھائیوں کو واپس گھر آنا پڑا تب تک عبدالرحمٰن بھی واپس آچکے تھے اور ان دو بھائیوں کی ذمے داری ان کے کندھوں پر آگئی۔

بڑے بھائی عبدالرحمٰن کی مالی حالت کو محسوس کرتے ہوئے انصاری نے سلسلہ تعلیم کو بیچ ہی میں چھوڑ دیا اور گھریلو حالات کو سدھارنے کی غرض سے ٹیوشن لینے شروع کردیے۔ اور ایک میونسپل اسکول میں مدرس ہوگئے۔ اپنے ملک کے حالات سے وہ بخوبی واقف تھے اس لیے سیاسی تحریکوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہوئے تحریک خلافت میں شامل ہوگئے جس کی قیادت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان اور شورش کاشمیری کررہے تھے۔ حافظ علی بہادر خان انصاری صاحب کے قبل کے ساتھی تھے۔ دونوں میں خوب بنتی بھی تھی لہٰذا خان صاحب نے 'ہلال' نامی اخبار شروع کیا اور انصاری صاحب کے حوالے کردیا۔ خان صاحب انگریز حکومت کے خلاف مضامین لکھتے رہے اور ایک مرتبہ اخبار میں بم بنانے کا فارمولہ شائع کردیا۔ اس جرم کی وجہ سے دونوں حضرات کو جیل ہوگئی۔

انصاری صاحب نے پہلی شادی آمنہ بیگم سے کی جن

سے اکلوتی اولاد خالد انصاری ہیں۔ ان کی دوسری شادی بسم اللہ بیگم سے ہوئی۔ گھر میں خواتین کے آجانے سے مردوں کو کافی سہولتیں میسر ہوگئیں۔ اپنی زندگی میں آنے والی چھوٹی بڑی مصیبتوں کا مقابلہ موصوف نے بہادری، جواں مردی اور دلیری سے کیا۔ وطن پرستی، انسان دوستی، انکسار، محبت وخلوص کے جذبوں نے آپ کو عوام کے قریب تر اور ان میں مقبول کردیا۔ انھو ں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اس لیے اپنے عملے کے اراکین سے نہایت محبت و خلوص سے پیش آتے۔ ان کی خبر گیری کرتے اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے۔ ان کے حالات کیسے بھی ہوتے وہ ہر ماہ 5 یا 6 تاریخ کو اسٹاف کی تنخواہ ادا کردیتے تھے۔

آزادی کے فوراً بعد انصاری صاحب کے بہت سے قارئین و احباب نیز پاکستان میں قیام پذیران کے دوست واحباب ان سے بار بار اصرار کررہے تھے کہ وہ ہجرت کرکے پاکستان میں آباد ہوجائیں۔ انصاری صاحب نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ہجرت سے انکار کردیا۔ انصاری صاحب اپنے تجربات کی بنیاد پر ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی وسماجی حیثیت سے باخبر تھے اور وہ چاہتے تھے کہ یہاں رہ کرتن من دھن سے کوشش کرکے مسلمانوں کو دستور کے مطابق ان کے حقوق دلانے کی کوشش کرتے رہیں گے لہٰذا اپنے ایک عزیز محمد فیاض عباس کی درخواست کے جواب میں وہ لکھتے ہیں ''ہم آپ کے ہمدردانہ مشورے کے مشکور ہیں لیکن جہاں تک انقلاب کو پاکستان منتقل کرانے کا تعلق ہے ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس مشورے سے متفق نہیں ہوسکتے ہیں ہمارے خیال میں پاکستان بن جانے کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کا پاکستان کی طرف اس لیے رخ کرنا کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے، ایک نہایت غلط قدم ہے۔''

ہندوستان کے صاحب اثر مسلمانوں کا پاکستان چلا جانا ہمارے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کے لیے ایک تباہ کن قدم ہے اور اس سلسلے میں جو ہندوستان میں پنی موجودگی کی ضرورت کے باوجود پاکستان جاچکے ہیں یا جانا چاہتے ہیں، ہم ان کی اس روش کو اچھا نہیں کہہ سکتے۔ چاہے وہ گذشتہ ایام میں مسلمانو ں کی سیاسی کشتی کے کتنے ہی بڑے کھیون ہار رہ چکے ہیں۔ سوائے قائد اعظم کے جن کے پاکستان ہی میں رہنے کو ہم ایمان دارانہ طور پر زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

اپنے خیالات اور منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے عبدالحمیدا نصاری صاحب نے اپنے اخبار روزنامہ 'انقلاب' کو دسمبر 1938 میں جاری کیا۔ اس زمانے میں ممبئی سے خلافت اجمل، ہلال اور اقبال جیسے روزنامے بڑی آب و تاب کے ساتھ نکل رہے تھے۔

اپنے خیالات اور منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے عبدالحمیدا نصاری صاحب نے اپنے اخبار روزنامہ 'انقلاب' کو

دسمبر 1938 میں جاری کیا۔ اس زمانے میں ممبئی سے خلافت اجمل، ہلال اور اقبال جیسے روزنامے بڑی آب و تاب کے ساتھ نکل رہے تھے۔ ہندوستان بھر میں تحریک آزادی کا زور و شور تھا۔ تحریک آزادی کے اہم سیاسی رہنما اور دیگر مجاہدین آزادی نے ممبئی میں آزادی کی سرگرمیوں کو شروع کردیا تھا۔ اخبارات پر انگریزی سرکار کی سخت نظر تھی۔ ذرا سی بات پر اخبارات بند کرادیے جاتے۔ مدیران اخبار کو گرفتار کرلیا جاتا۔ ایسے سخت حالات میں بھی بیباک صحافیوں نے اپنے اخبار جاری رکھے۔ انقلاب کی ابتدائی طباعت تاج پریس میں ہوئی جس کے مالک صالح بھائی عبدالقادر تھے۔ اس اخبار کے وجود کو قائم رکھنے کے لیے انصاری صاحب نے دن رات ایک کردیے۔ مشہور و معروف اہل قلم کا تعاون حاصل کیا اور انقلاب قارئین کے دلوں میں گھر کرتا چلا گیا۔ آزادی کے بعد کے حالات بھی اخبار اور اس کے مالک کے حق میں ہوتے گئے اور اخبار نے خوب خوب ترقی کی انقلاب جاری ہونے سے قبل انصاری صاحب حافظ علی بہادر خاں کے روزنامہ 'ہلال' اور احسان مراد آبادی کے ہفت روزہ 'الہلال' کے ادارتی عملے میں شامل تھے، ہلال میں تو بہ حیثیت مدیر کام کیا۔ انگریز مخالف مضامین کی پاداش میں انھیں جیل بھی جانا پڑا۔ ان دونوں اخباروں سے حاصل شدہ صحافتی تجربہ ان کے اپنے اخبار انقلاب کو صحیح راہ دینے میں کام آیا۔ انقلاب کے وہ مدیر اعلیٰ رہے۔ جبکہ غلام احمد خان آرزو نے ادارت کے فرائض انجام دیے۔

اپنی صحافتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے سیاسی وسماجی ذمے داریوں کو بھی بڑی خوب صورتی سے نبھایا۔ 1948 میں مدن پورہ علاقے سے میونسپل کارپوریشن کے رکن منتخب ہوئے۔ انصاری صاحب نے بڑی جانفشانی سے اخبار کی ترقی و ترویج کے لیے محنت کی۔ اخبار کے صفحات میں اضافہ کیا۔ اخبار کو خوب سے خوب تر بنا دیا۔ آفسیٹ پر طباعت کرائی۔ 1960 میں ان کے صاحب زادہ خالد انصاری صحافت کی تربیت کے لیے امریکہ گئے اور واپس آکر انقلاب میں اہم وضروری تبدیلیاں کیں اور اس کے ظاہری حسن و دلکشی میں اضافہ کیا۔ جاوید جمال الدین جنھوں نے عبدالحمید انصاری صاحب کی حیات و کارناموں پر کتاب تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''عبدالحمید انصاری کا انتقال 67 سال کی عمر میں 7 مارچ 1972 کو ہوا۔ انھوں نے اپنے چونتیس سال روزنامہ 'انقلاب' کو بنانے سنوارنے میں لگائے۔ ان کی یہ خدمات صرف اپنے ایک اخبار کے لیے نہ تھی بلکہ ممبئی کی اردو صحافت مجموعی طور پر اس سے فیضیاب ہوئی ہے۔ انصاری صاحب کے انتقال کے بعد خالد انصاری نے ادارہ انقلاب کی تمام ذمے داریاں سنبھال لیں۔

استفادہ:

(1) عبدالحمید انصاری: انقلابی صحافی اور مجاہد آزادی: جاوید جمال الدین
(2) ممبئی کے اردو اخبارات (1834 تا 2005): ساجد قاسمی

■

M Rafique
Nizam House Dangpura
At-Po: Yawal - 425301 (Maharashtra)

ایم یوسف انصاری

میری سہیلی

نظم

یہ بے جان گڑیا ہے میری سہیلی
نہ ہنستی نہ روتی نہ لب یہ ہلاتی
نہ آنکھوں سے آنکھیں کبھی یہ مِلاتی
نہ چلتی نہ پھرتی نہ آتی نہ جاتی
میں پاکر بھی اس کو مگر ہوں اکیلی یہ بے جان گڑیا ہے میری سہیلی

حسین اِس کے اَبرو ہے پلکوں میں جُنبش
لبوں پہ تبسم مگر دل میں رنجش
نہ اردو یہ سمجھے نہ آتی ہے انگلش
بجا ساز دل کا یہ ہے اِک پہیلی یہ لوری کی گڑیا ہے میری سہیلی

نظر میں ہے شوخی لبوں پہ ہے سرگرم
ہیں ریشم کے بالوں میں سو پیچ اور خم
ہے کانوں میں بالی گلے میں ہے ریشم
بنی ہے یہ دلہن نئی اور نویلی یہ انجان گڑیا ہے میری سہیلی

یہ بے جان گڑیا اگر ہے تو کیا غم
رَچاؤں گی شادی میں با چشم پُرنم
لگا کر گلے سے میں تڑپوں گی اُس دم
جدا ہو کے ہوگی روانہ بریلی یہ نادان گڑیا ہے میری سہیلی ■

M. Yousuf Ansari
368, New Ward
Malegaon - 423203 (Nasik)

صبیحہ انور

مرغی کی چوری

گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہم لوگوں کا نانی جان کے یہاں جانے کا پروگرام تھا۔ وہاں چھٹیوں کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا، نئی نئی شرارتوں اور اودھم مچانے کے پروگرام بنتے۔ ہماری خوب خاطر و مدارات بھی ہوتی۔ نانی جان کے گھر کا ماحول ہمارے گھروں سے بالکل مختلف ہوتا۔ اسی زمانے میں ہمارے خالہ زاد، ماموں زاد بھائی بہن وہاں اکٹھا ہوتے تھے۔

مگر اس بار گھر کی فضا ہی کچھ بدلی ہوئی تھی۔ عجب ناراضگی اور خاموشی والا ماحول تھا۔ ہمارے نانا جان جو ہمارے پہنچنے پر سب سے زیادہ خوش ہوتے تھے بہت خاموش اور جھنجھلائے ہوئے سے تھے۔

بہت دیر بعد یہ معلوم ہوا کہ پچھلے دنوں نانا جان کے ایک دوست رانی کھیت سے ان کے لیے بہت اعلیٰ قسم کی بارہ مرغیاں ایک بڑے سے جالی دار پنجرے میں لائے تھے۔ مرغیوں کی بہت آؤ بھگت چل رہی تھی کہ یہ ٹھنڈی جگہ کی مرغیاں ہیں۔ ایک صبح ان میں سے ایک مرغی غائب تھی۔ کمال کی بات یہ کہ شام سے صبح تک نہ کوئی بلی آئی نہ کتا اور نہ ہی مرغیوں کے ڈربے سے کوئی آواز آئی تھی۔ شام کو مرغیاں روز کی طرح ڈربے میں بند کی گئی تھیں۔

غیر معمولی بڑی سرمئی رنگ کی مرغیاں جن کی دُم اور گردنیں چمکیلے کالے رنگ کی تھیں۔ کالے پروں کے بیچ مور کی طرح فیروزی مائل پر چمکتے تھے۔ یہ پہاڑی مرغیاں سائز کی وجہ سے دوسری مرغیوں سے بالکل الگ نظر آتی تھیں۔ جس دن سے مرغیاں آئیں تھیں پورے محلے میں ان کی خوبصورتی اور

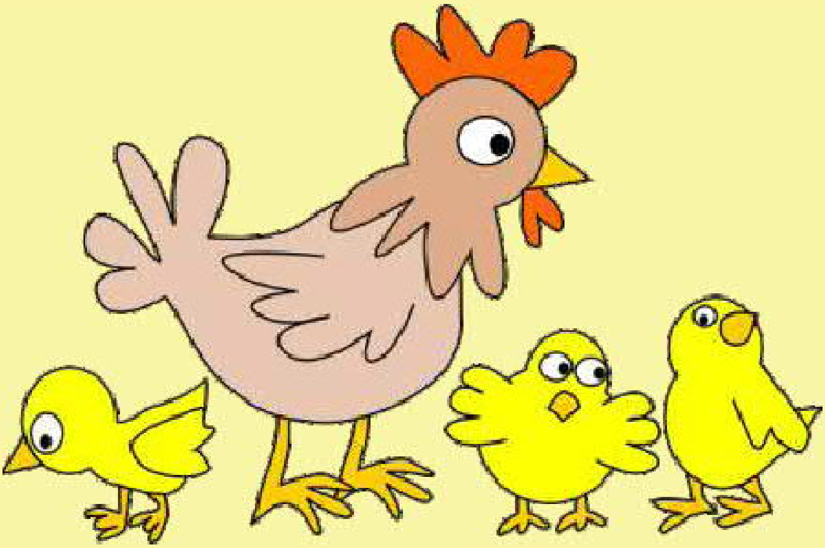

سائز کی دھوم تھی۔ جب مرغیوں کو بڑے سائز کے صاف ستھرے نئے ڈربے میں ڈالا گیا تو پڑوس کے لوگ تماشا دیکھنے جمع ہوگئے سب کی آنکھوں میں خوشی سے زیادہ تعجب تھا۔

نانا جان کا گھر ہم بچوں کو اس لیے بھی بہت اچھا لگتا تھا کہ وہاں پر بہت سی مرغیاں، طوطے اور رنگ برنگی چڑیاں پلی تھیں۔ بہت سی آزاد چڑیاں بھی روز وہاں جمع رہتیں۔ گھر کا ایک حصہ پالتو جانوروں کے لیے مخصوص تھا۔ وہاں امرود اور شریفے کے دو تین درخت تھے مہندی اور کروندے کی جھاڑیاں تھیں یہ باورچی خانے کے پیچھے کا آنگن تھا۔ جس کو سب لوگ حاطہ کہتے تھے ان درختوں اور جھاڑیوں پر بہت سی گوریا، مینا اور فاختائیں بھی رہتی تھیں۔ مٹی کے بڑے بڑے کونڈوں میں پانی اور دانہ روز صبح پیڑوں کے نیچے رکھا جاتا۔ صبح جب مرغیاں کھولی جاتیں اور پیڑوں سے اتر کر چڑیاں پانی کونڈے کے پاس جمع ہوتیں۔ تو سب کو بہت اچھا لگتا تھا۔ اس وقت باورچی خانے کا پچھلا جالی والا دروازہ اس تاکید کے ساتھ بند کردیا جاتا کہ کوئی بچہ اس وقت اس آنگن میں نہ جانے پائے۔

نانا جان کے دونوں نوکر کرمو اور مراری وہیں بیٹھ کر ان کی چڑیوں جنھیں وہ مہمان کہتے تھے، نگرانی کرتے۔

نانا جان کا خیال تھا کہ ”مرغی کی چوری میں ضرور کسی نوکر کا ہاتھ ہے جو مرغی بغل میں دبا کر کسی کو دے آیا ہے۔ بہت اچھے دام ملے ہوں گے۔ ایسی مرغیاں تو یہاں کسی نے دیکھی نہ تھیں، بہت غلط حرکت ہوئی ہے۔ اب کسی کا اعتبار نہیں رہا“۔

نانا جان کو ہی نہیں گھر کے سب لوگوں کو مرغی کی چوری کا افسوس تھا۔ مرغی کے گم ہوجانے کا تذکرہ کئی دن تک بات چیت کا موضوع رہا تھا کوئی کہتا ”اگر ایک پکڑی جاتی تو باقی گیارہ جن میں دو اونچی کلغی والے مرغے تھے ضرور شور مچاتے“۔

کسی کا خیال تھا، ”اتنی نوکیلی چونچ ہے مرغی تو پکڑنے والے کو نوچ ڈالتی۔ پتہ نہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔“

ڈربے کے پاس سے گذرتے ہوئے ہم سب مرغیوں کی گنتی ضرور کرتے۔ کبھی کبھی تو گنتی میں خاصی دیر بھی ہو جاتی، مرغیاں اتنی پھرتیلی تھیں کہ ایک جگہ پر رکتی ہی نہ تھیں۔

چوری کے بعد اس ڈربے کی کنڈی میں تالہ ڈال دیا گیا۔ جسے صبح و شام نانا جان اپنے سامنے کھلواتے اور بند کراتے۔ اس وقت ہم سب اونچی آواز میں گنتی کرنے میں شامل ہوتے۔ ان مرغیوں کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی

جب ہر صبح کرمو ڈربے سے انڈے لے کر فاتحانہ شان سے باہر آتے ۔ ہم سب بچے تالیاں بجاتے۔ شوروغل اور بھاگ دوڑ والی دنیا کے رہنے والے ہم شہری بچوں کے لیے یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور فطرت کی قربتیں بہت دلچسپ ہوتیں۔

ہماری چھٹیوں کے دن دھما چوکڑی اور دلچسپیوں میں گزر رہے تھے، ایک مہینہ ہو چکا تھا اور ہمارے واپس جانے کے دن قریب آ رہے تھے۔ ہمیں اور ہمارے دوسرے خالہ زاد بھائی بہنوں کو بھی گھر جا کر اسکول کی تیاری بھی کرنی تھی۔ سب لوگ دھیرے دھیرے مرغی کی چوری کا واقعہ بھولنے لگے۔

ہماری واپسی کے دو دن باقی تھے کہ اچانک ایک صبح احاطے کا آنگن حیرت بھری چیخوں سے گونج اٹھا۔ وہاں موجود سب لوگ منھ کھولے ایک ایسا منظر دیکھ رہے تھے جو کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔

باورچی خانے کے قریب والی آٹے دال کی کوٹھری کی اونچی چوکھٹ پر وہی کھوئی ہوئی مرغی کھڑی تھی اور اس کے پیچھے سے سات آٹھ تندرست چوزے چوکھٹ پھلانگ کر پھدکتے ہوئے باورچی خانے سے ہو کر چوں چوں کرتے باہر حاطے میں جا رہے تھے۔ ہم سب زور زور سے تالیاں بجا کر ان کو گن رہے تھے۔ مرغی پرانے ساتھیوں سے ذرا دیر میں گھل مل گئی۔ بچوں اور نوکروں کی آوازیں سن کر نانا جان بھی باہر سے آ گئے۔ نانی جان ہماری امی اور گھر کے بڑے لوگ دالان سے یہ منظر اور بچوں کا جوش دیکھ رہے تھے۔ سب حیران اور خوش تھے جانوروں اور چڑیوں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک انوکھا واقعہ تھا۔ دھوپ تیز ہوئی اور مرغیوں کو ڈربے میں بند کرنے کا وقت آیا تو اسکول ٹیچر کی طرح وہ مرغی آگے آگے اور بچے لائن لگا کر اس کے پیچھے پیچھے کوٹھری میں چلے گئے۔

شام کو کرمو نانا نے ہمارے بیچ بیٹھ کر پورا واقعہ سنایا ''کوئی دن کوٹھری کھلی پائے کے یہ مرغی کوٹھری ما گھسی ہے اور زمین پر پڑا اناج چگنے لگی۔ پھر کوٹھری ہوگئی بند، یہ وہیں اناج کے مٹکوں کے پاس پڑی کوئی بوری پر بیٹھ گئی۔ جگہ اچھی اور ٹھنڈی پا کے وہیں آرام سے دبکی رہی۔ بوری پر انڈے دیئے اور چپ چاپ انڈوں پر بیٹھی رہی۔ اکیس بائیس دن میں تو مرغی کے انڈے سے بچے نکل آتے ہیں یہ مزے سے اپنے بچے لیے وہیں آرام سے بیٹھی رہی۔ اپنے بچے ہم سب سے چھپائے کے وہیں سب کا زمین پر پڑا دانہ کھلاتی رہی۔''

کرمو نانا کے لہجے میں شکایت تھی مرغی کی چالاکی ان کو ناگوار گذری تھی۔

''اب جب بچے چلنے پھرنے پھدکنے والے ہوگئے تو آج ہم سب کا درشن دے کھاتر مہارانی باہر نکلیں۔''

ہم بچوں میں نمو میاں کا دماغ سب سے تیز چلتا انھوں نے فوراً کرمو نانا سے پوچھا۔

''مگر کرمو نانا، بغیر پانی پئے مرغی ایک مہینے کیسے زندہ رہی؟''

''نہیں میاں بورچی خانے کی نالی کوٹھری کے پیچھے تک جات ہے۔ وہاں حوض ہے۔ کوٹھری کی نالی وہیں سے گئی ہے۔ بس یہ نالی کا پانی حوض میں چونچ ڈال کر پیتی رہی۔''

کرمو نانا اپنے گھٹنے پکڑ کر اٹھے، منھ پر ہاتھ پھیرا اور بولے۔

''چلو آج میاں کے دل سے سک تو نکل گیا کہ یہ نوکر کی حرکت ہے۔''

■

Dr. Sabeeha Anwar
Nami Press Building
Nakhkhas, Lucknow - 3 (UP)

ابوبکر عرب

اتفاق میں برکت ہے

آج چڑیا گھر میں بہت بھیڑ تھی۔لوگ چڑیا گھر میں جانوروں کی حرکتوں سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ بندر بچوں کی نقل اتار کر لوگوں کو ہنسا رہے تھے جو انھیں کھانے کی چیزیں دے رہے تھے۔ چند بچے لومڑی کو کہہ رہے تھے۔

''بی لومڑی!۔ اب تمہاری چالاکی کہاں ہے؟ یہاں سے نکلو تو مانیں.....

رات کو سارے جانور اور پرندے سو گئے، صبح لومڑی لومڑ سے بولی۔

''تم بہت بزدل ہو، سب سے ڈرتے ہو۔'' لومڑ کو اس بات پر بہت غصہ آیا۔اس نے کہا۔

''کیا بات ہے آج صبح صبح ہی تمھارا موڈ خراب ہے خیریت تو ہے''؟ لومڑی نے کہا۔

''بات ہی کچھ ایسی ہے۔'' لومڑ نے کہا۔

''ارے نیک بخت کچھ بولے گی بھی یا نہیں؟'' تب لومڑی نے کہا۔

ہر جگہ چڑیا گھر کا نام استعمال ہوتا ہے۔ٹکٹوں پر اس کا نام، باہر بورڈ پر چڑیا کا نام۔ ہر بڑا اور بچہ صرف چڑیا کا ہی نام لیتا ہے آخر وہ کرتی کیا ہے؟

چڑیا گھر کے بجائے اس کا نام لومڑ گھر ہونا چاہیے اور انشاءاللہ ہوگا۔ چڑیا کا یہاں کام ہی کوئی نہیں ہے۔ محنت تو ہم کرتے ہیں۔ لوگ ہمیں دیکھنے آتے ہیں۔ خاص طور پر مجھے۔ کیونکہ میری چالاکیاں ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ مجھے ملکہ کا بھی خطاب ملا ہوا ہے۔لومڑ نے کہا۔

دیکھو، کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر یہ ناممکن نہیں ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو ایسی چالاکی سے ہم دونوں کا نام روشن ہو سکتا ہے۔ چڑیا کی ہمیشہ کے لیے چھٹی ہو جائے گی۔لومڑی نے کہا۔

اچھا یہ تو بتاؤ یہ سب کیسے ہوگا؟

لومڑی نے پھر کہا۔ یہ بات تو تم مجھ پر چھوڑ دو، میں سب سے بات کرلوں گی بھی۔ کسی کو اس بارے میں بتانا ٹھیک نہیں، ہمیں ہوشیاری سے بھی کام لینا ہوگا۔ بندریا پنجرے میں بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی کہ بندر نے کہا۔

"تمھیں پتہ ہے ہر جگہ چڑیا گھر چڑیا گھر کہا جاتا ہے۔ ہر بچے اور بڑے کی زبان پر یہی نام ہوتا ہے۔ حالانکہ لوگ صرف ہماری حرکتوں کو دیکھنے یہاں آتے ہیں۔ لیکن وہ نام لیتے ہیں چڑیا کا۔ اگر وہ اب مل جائے تو اس کے پر نوچ لوں۔ اس جگہ کا نام چڑیا گھر کی بجائے بندر گھر ہونا چاہیے۔ کسی سے کہنا نہیں کیونکہ ہم نے چپ چاپ چڑیا کا تختہ، الٹنا ہے۔

دوسرے پنجرے میں سے گیدڑ نے بندر سے کہا۔

"بھائی! لگتا ہے تم میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہو۔" بندر نے کہا۔

"نہیں نہیں! ہم تو تمھاری تعریف کر رہے تھے، چڑیا کی بات کر رہے تھے۔" گیدڑ نے کہا۔

"اچھا! چڑیا باجی کی بات ہو رہی تھی۔" بندریا نے کہا۔

"میں نے کافی عرصہ سے یہ سوچ رکھا تھا کہ چڑیا کا نام غائب کروادوں گی۔ یہ دیکھو میں نے تو بورڈ بھی لکھوا لیا ہے۔ یہ بورڈ جلد ہی باہر دیوار پر لگ جائے گا۔ لومڑی کو یہ باتیں سُن کر بہت غصہ آیا" اور وہ بولی۔

"سنو بندریا۔ میں نے سب سے پہلے سوچا تھا میں نے بھی لومڑ گھر لکھنے کو دیا ہے اس کا نام اب چڑیا گھر نہیں لومڑ گھر ہوگا۔" گیدڑ بول اٹھا۔

"میری بھی سنو بہنو! تم دونوں رہنے دو اور اس جگہ کا نام میرے نام پر رکھ دو بہت خوب صورت لگے گا" بندریا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"واہ! یہ مُنہ اور مسُور کی دال۔" لومڑی بولی۔

"یہ جگہ اب ہمارے نام سے ہوگی۔" گیدڑ نے انھیں لڑتے دیکھ کر کہا۔

"ہمیں آپس میں لڑنا نہیں چاہیے۔ اگر ہم لڑیں گے تو اس جگہ کا نام نہیں بدلا جائے گا۔ جب منیجر آئے گا تو ہم سب ان کو اپنی اپنی تجویز دیں گے جو نام اچھا لگے گا۔ وہ رکھ دے گا۔ بندریا نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

ویسے گیدڑ بھائی! تم کبھی کبھی عقل کی بھی بات کر جاتے ہو ابھی وہ آپس میں باتیں کر ہی رہے تھے کہ سامنے سے ہاتھی

آ گیا اس نے سونڈ ہلا کر کہا۔

''کیا بات ہے؟ تم سب نے اس طرح کیوں منہ بنایا ہے۔ لومڑ نے کہا۔

''پھوپھا ہاتھی! آپ اس چڑیا گھر میں سب سے بڑے ہیں اور سب سے زیادہ کام بھی کرتے ہیں، بچوں کو سیر کرواتے ہیں اور ہر ایک کو خوش رکھتے ہیں۔'' ہاتھی نے کہا۔

''لومڑ! بات کیا ہے؟ ہمیں بھی کچھ پتہ چلے۔'' لومڑی نے کہا۔

''پھوپھا جان! آپ خود فیصلہ کریں کہ چھوٹی سی چڑیا کے نام پر اس جگہ کا نام چڑیا گھر رکھا گیا ہے۔ ہم سب اس کے نام پر کھاتے ہیں اور جیتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی جگہ پھوپھا ہاتھی آپ کا نام ہونا چاہیے۔ ہاتھی نے کہا۔

''کیا؟ میرا خیال ہے کہ ہاتھی کا نام اچھا نہیں لگے گا۔'' بندریا فوراً بولی۔

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ کا نام بہت اچھا ہے اور اچھا لگے گا اور چڑیا نے آپ کو کئی بار بُرا بھلا کہا ہے'' ہاتھی نے کہا۔

''اچھا یہ بات ہے تو، جیسے تم لوگوں کی مرضی، ویسے یہ سب کچھ ہو گا کیسے؟ لومڑی نے کہا۔

یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں میں چپکے سے چڑیا کے پاس جاؤں گی اور اسے دھوکے سے یہاں لے آؤں گی پھر ہم سب اس کے پَر نوچ لیں گے اس طرح وہ مر جائے گی اس کے مرنے کے بعد یہاں آپ کا نام آ جائے گا۔

بندر نے کہا۔

''اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک مشورہ دوں۔'' لومڑی نے کہا۔

''ہاں ہاں بھائی! کیوں نہیں کہو۔'' بندریا نے کہا۔

''چڑیا کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ابھی تھوڑی دیر میں کھانے والا آئے گا۔ ہم بھوک ہڑتال کر دیں گے اور بات منیجر تک پہنچ جائے گی۔ جب منیجر آئے گا تو ہم سب اسے بتا دیں گے کہ یہ معاملہ ہے۔'' بندر بات کر چکا تو شیر دھاڑتا ہوا بولا۔

''میں نے تم سب کی باتیں سن لی ہیں۔'' تم لوگوں نے مجھ سے پوچھا تک نہیں۔ میں شیر ہوں جنگل کا بادشاہ ہوں۔ بندر نے کہا۔

''بھائی یہ جنگل نہیں چڑیا گھر ہے''۔ شیر نے کہا۔

''جو بھی ہو میں بادشاہ ہوں اور اس جگہ کا نام اب میرے نام پر رکھا جائے۔ میں سب سے بہادر ہوں۔ سب میرے نام سے ڈرتے ہیں اور مجھے یہاں دیکھنے آتے ہیں میں اپنی ایک

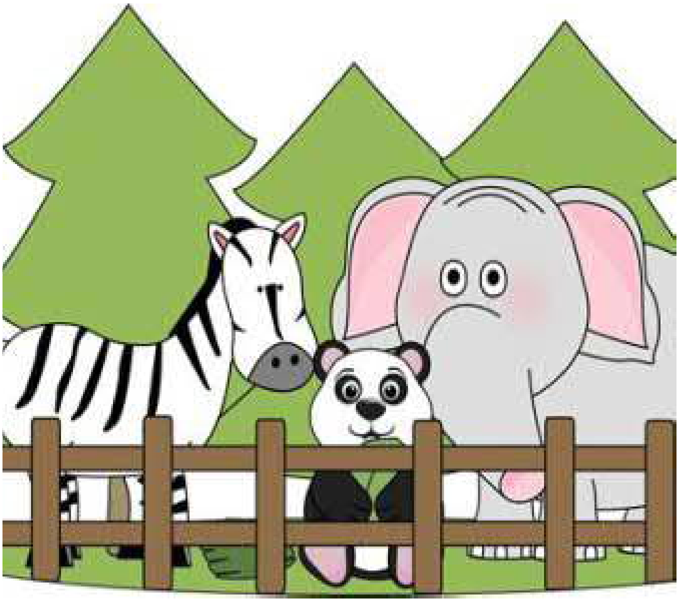

دھاڑ سے سینکڑوں لوگوں کو جمع کر لیتا ہوں۔اب ہر طرف شیر گھر ہوگا، شیر گھر۔بندر نے پھر ڈرتے ڈرتے ہوئے کہا۔

''منہ سنبھال کر باتیں کریں شیر بھائی، آپ صرف جنگل میں بادشاہ ہوں گے اور آپ کو پتہ نہیں پھو پھا ہاتھی کھڑے ہیں اور ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اس کا نیا نام ہاتھی گھر رکھیں گے۔'' شیر نے کہا۔

''میرا نام ہوگا اور بس میرا نام ہوگا۔'' ہاتھی نے کہا۔

''بھائیو! میں آپس میں لڑائی پسند نہیں کرتا۔تم لڑو مت۔'' بندر بولا۔

''ہاتھی پھوپھا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' یہ تو آپ کا حق بنتا ہے، ہاتھی نے کہا۔

''میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے لڑائی ہو۔ہم سب کو مل کر رہنا چاہیے۔اگر ہم آپس میں لڑ پڑے تو ہمارا مشن کیسے پورا ہوگا؟'' گیدڑ نے کہا۔

''میں نے باقی ساتھیوں کو اطلاع دے دی ہے کہ آج بھوک ہڑتال ہے۔ وہ دیکھو کھانے والا بھی آرہا ہے، سب خاموش ہوکر بیٹھ جاؤ کھانے والا سب سے پہلے گیدڑ کے پاس آیا اور کہا۔

''لو گیدڑ کھانا آگیا ہے اپنا برتن لاؤ۔'' گیدڑ نے کہا۔

''میں کھانا نہیں کھاؤں گا لے جاؤ۔'' کھانے والا ریچھ کے پاس گیا اور کہا۔

''یہ لو کھانا۔ ریچھ نے بھی کھانے سے انکار کر دیا۔'' کھانے والا بندر کے پاس آیا اور کہا۔

''تم ہی کھانا کھالو۔'' بندر نے کہا۔

''ہم کھانا نہیں کھائیں گے، سب جانوروں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا'' تب اس نے کہا۔

'' کیا رات کو کسی نے تمہاری دعوت کی تھی؟ کھانے والے نے غصے سے کہا۔

بندر نے کہا۔

'' آج ہم سب نے ہڑتال کی ہوئی ہے۔ بھوک ہڑتال۔ہمارے مطالبے پورے کیے جائیں۔'' ہاتھی نے کہا۔

''اپنے منیجر کو بھیجو۔ہمیں بات کرنی ہے ورنہ ہم سب شور مچائیں گے۔یہ کہنا تھا کہ سب نے شور مچانا شروع کر دیا۔کھانا لانے والے نے کہا۔

''اچھا اچھا میں ابھی منیجر صاحب کو بلا کر لاتا ہوں۔''

منیجر صاحب جانوروں اور پرندوں کی آوازیں سن کر بھاگے ہوئے آئے اور کہا کیا بات ہے؟ تم اتنا شور کیوں مچا رہے ہو اور کھانا کھانے سے انکار کیوں کر رہے ہو۔ ہاتھی نے کہا۔

"ہم سب اس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گے جب تک چڑیا گھر کا نام نہ مٹادیا جائے۔" منیجر نے کہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ پہلے تو تم سب مل جل کر رہتے تھے۔ چڑیا کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور اسے باجی کہتے تھے۔ اب چڑیا کو کیا ہوگیا ہے؟" ہاتھی نے کہا۔

"اب اور کسی کا نام آنا چاہیے۔ ہم سب کا اس گھر پر حق ہے۔ لومڑی نے کہا۔

"منیجر صاحب! اگر ہمارا مطالبہ پورا نہ ہوا تو ہم سب اپنے اپنے گھروں سے نکلنے سے انکار کردیں گے اور اس طرح آپ لوگوں کا نقصان ہوگا۔" منیجر کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے ہمیں یہ لکھ کر دے دو کہ کس کے نام پر اس جگہ کا نام رکھ دیں۔" منیجر کی یہ بات سن کر شیر نے کہا۔

"میرے نام پر ہوگا۔" گیدڑ بولا۔

"میرے نام پر ہوگا۔" لومڑی چیخی۔

"نہیں نہیں میرے نام پر" بندر نے اچھل کر کہا۔

"نہیں میرے نام پر۔" ہاتھی نے سونڈ ہلا کر کہا۔

"میرا نام ہونا چاہیے۔" منیجر نے طنزیہ کہا۔

"تم میں اب اتفاق نہیں تو بعد میں کیا ہوگا۔؟ بہرحال ہم سوچ سمجھ کر دوسرا نام رکھ دیں گے۔ منیجر چلا گیا تو سب جانور خوشی کا اظہار کرنے لگے۔" لومڑی نے کہا۔

"ساتھیو! صبح فیصلہ ہوجائے گا، منیجر سمجھدار آدمی ہے وہ سمجھداری سے نام تبدیل کردے گا۔"

صبح ہوتے ہی چڑیا اُڑتی ہوئی ان کے پاس آئی اور کہا۔

"آداب عرض کرتی ہوں سب نے اس کی طرف سے منہ پھیرلیا۔ چڑیا نے کہا۔

"مجھے پتہ ہے کہ آپ لوگ مجھ سے ناراض ہیں؟ آپ کو اعتراض ہے کہ مرے نام پر چڑیا گھر کیوں رکھا گیا ہے! دراصل میں امن کا نشان ہوں۔ سب کو پیار اور محبت کا پیغام دیتی ہوں۔ اگر آپ نہیں چاہتے تو ٹھیک ہے میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی جاتی ہوں۔ میں خود منیجر کو کہوں گی کہ میرے نام کی بجائے لومڑی، بندر، ریچھ، گیدڑ، شیر، پھوپھا ہاتھی کسی کا بھی نام رکھ دیں۔ مجھے خوشی ہوگی۔ میں نے کبھی صرف اپنا گھر نہیں سمجھا۔ میں ہر گھر کو اپنا سمجھتی ہوں۔ میں نے کبھی بھی کسی کو غیر نہیں سمجھا۔ ہم سب کو اِس پیارے گھر کی حفاظت کرنی ہے میں اب چلتی ہوں اور کبھی یہاں نہیں آؤں گی۔

منیجر صاحب آپ میں سے کسی کے نام پر اس گھر کا نام رکھ دیں گے۔ بندریا نے کہا۔

"رُک جاؤ چڑیا باجی، خدا کے لیے رُک جاؤ مجھے معاف کردو میں تم سے بہت شرمندہ ہوں، تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں" لومڑی بولی۔

"میں بھی تم سے شرمندہ ہوں۔ میں نے ہی تمھارے خلاف غلط پلان بنایا تھا اور تمھیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس کے لیے ہم معذرت چاہتے ہیں" ہاتھی نے کہا۔

"مجھے بھی معاف کردو میں لالچ میں آ گیا تھا۔ یہ گھر صرف تمھارے نام پر ہی اچھا لگتا ہے اور انشاء اللہ ساری عمر رہے گا۔ خدا کے لیے تم ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ سب جانوروں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چڑیا نے روتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم کہتے ہو تو نہیں جاؤں گی۔ یہ سننا تھا کہ سب نے نعرہ لگایا۔" چڑیا باجی۔ زندہ باد، چڑیا گھر زندہ باد!

■

Abu Bakar Arab
Saudagar Chaal
Dharwar - 580001 (Karnataka)

ایمن تنزیل

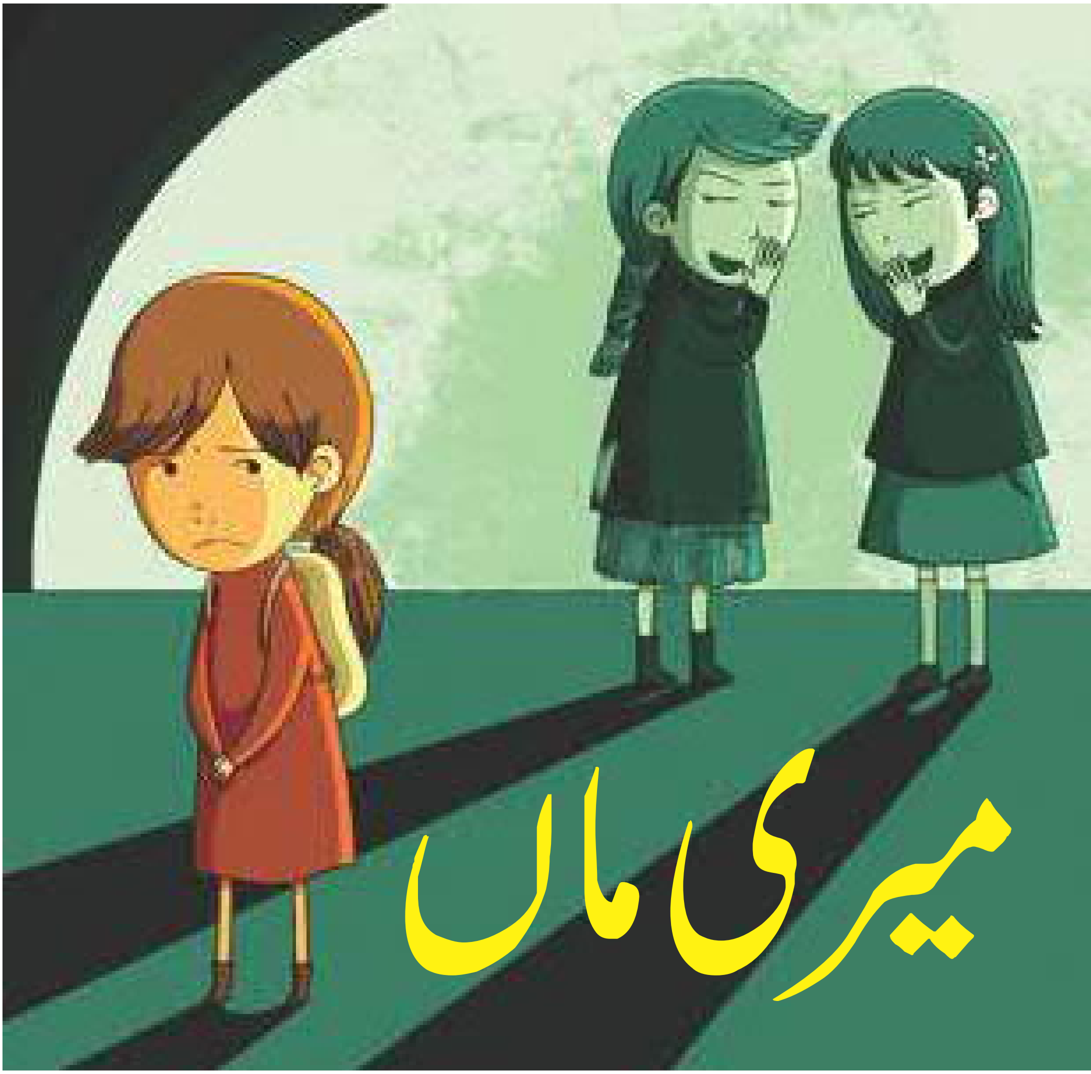

میری ماں

بہت پرانی بات ہے ایک شہر میں بہت بڑا اسکول تھا اس اسکول کی فیس اتنی زیادہ تھی کہ اس میں صرف امیر لوگوں کے بچے پڑھتے تھے۔اسکول کے اخراجات زیادہ ہونے کے سبب درمیانی لوگوں کے لیے اس اسکول میں تعلیم حاصل کرنا مشکل تھا۔ لیکن اس اسکول میں ایک ایسی بچی پڑھتی تھی جس کے والدین اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے... لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ اس قدر غربت کی زندگی گزارنے والی لڑکی آخر اس اسکول میں کیسے تعلیم حاصل کرسکتی ہے۔

ظفیرہ اچھے اخلاق کے ساتھ ساتھ خوش مزاج، ہمدرد اور بہت اچھے ذہن کی مالک تھی۔ ایک دن اسکول کی چھٹی کے بعد ظفیرہ کی ملاقات ایک ایسی عورت سے ہوئی جو میلے کچیلے لباس میں ایک بچے کو ساتھ لیے گیٹ کے باہر کھڑی تھی....اور وہ اس کو امی امی پکارتے ہوئے اس کے آغوش میں چلی گئی۔ ظفیرہ کے دوستوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اس عورت سے

دور کر دیا اور کہنے لگیں:

''تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے...؟ یہ کس کو تم امی کہہ رہی ہو...؟''

''ارے میرا دماغ کیوں خراب ہوتا... یہ میری امی ہی تو ہیں...''

ظفیرہ نے مسکرا کر اپنی ماں کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''لیکن...''

اس کے دوستوں کے الفاظ ادھورے ہی رہ گئے اور وہ اپنی ماں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

دوسرے دن جب وہ اسکول آئی تو اس کے کسی دوست نے اس سے بات نہیں کی... لیکن ظفیرہ سمجھ نہ سکی کہ اس کے دوست اس سے ناراض ہیں اور وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوگئی۔

دن اسی طرح گزر رہے تھے اس کے دوست اس سے بات نہ کرتے اور وہ وجہ معلوم کرتی تو کوئی اس کو جواب نہیں دیتا۔

ایک دن ظفیرہ بہت پریشان ہوئی کہ نہ جانے کیوں اس کی کوئی دوست اس سے بات نہیں کر رہی ہے اس نے اپنے دوستوں سے پھر وجہ معلوم کی لیکن کسی نے کوئی معقول جواب نہ دیا... اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ زار و قطار رونے لگی۔

''ارے ظفیرہ تم روتی کیوں ہو...؟ دیکھو اس طرح رو نہیں۔''

اس کی ایک دوست نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''ظفیرہ ہم نے سنا تھا کہ تمھارے والدین اب اس دنیا میں نہیں ہیں پھر... پھر وہ عورت کون تھی؟''

اس کی دوست سبیلہ نے اس کو پانی دیتے ہوئے کہا۔

وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی: ''میری ماں۔''

پھر سب کی آنکھوں میں وہی سوال...

ظفیرہ نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا: ''یہ بات صحیح ہے کہ میرے والدین کا انتقال ہو گیا تھا لیکن بہت بڑی وجہ ہے کہ میں ان کو ماں کہتی ہوں''

''وجہ... کیسی وجہ...؟'' اس کی ایک دوست نے بات پوری ہونے سے پہلے ہی یہ سوال کر دیا۔

''میرے ابو اور امی کے انتقال کے بعد میں بالکل اکیلی ہوگئی تھی، مجھے سہارا دینے والا کوئی نہیں تھا... میں روتی بلکتی ادھر ادھر گھوم رہی تھی، مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں جاؤں گی... کیونکہ اس وقت میرے چاروں طرف اندھیرا تھا۔''

ظفیرہ یہ کہہ کر خموش ہوگئی اور اس کی معصوم آنکھیں آنسوؤں سے نم ہوگئیں۔

''پھر...'' اس کی ایک دوست نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آج میں اس شاندار اسکول میں پڑھتی ہوں... اچھی اچھی کتابیں ہیں میرے پاس ہیں... لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے کبھی امید نہیں تھی کہ میرے پاس تعلیم حاصل کرنے کے اتنے اچھے ذرائع ہوں گے۔''

''میں سمجھی نہیں ظفیرہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' اس کی دوست نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میرے والدین اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان سے بھی زیادہ مجھے اس عورت نے پیار دیا جو اس دن اسکول کے باہر میلے اور

گندے کپڑوں میں کھڑی تھی... تم لوگ سوچ رہی ہوگی۔ اس میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے... اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ وہ عورت میری اصل ماں نہیں ہے لیکن میری نظروں میں وہ میری زندگی ہیں۔جس طرح ایک ماں اپنے بچوں کے لیے قربانیاں دیتی ہے اسی طرح انھوں نے میرے لیے اپنی زندگی میں بہت پریشانیاں اٹھائی ہیں۔اس رات جب میں سڑک کنارے تنہا بیٹھی رو رہی تھی تو انھوں نے ہی مجھے سہارا دیا تھا اور اپنی بیٹی کی طرح مجھے پالا۔"

"وہ تو غریب لگتی ہیں...؟"سبیلہ نے کہا۔

"ہاں وہ بہت غریب ہیں..."ظفیرہ نے جواب دیا۔

"وہ تمھاری فیس کیسے دیتی ہیں...؟" اس کی دوست سبیلہ نے پھر اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ بات صحیح ہے کہ ان کی زندگی میں بہت سی پریشانیاں ہیں لیکن وہ میری فیس پابندی سے جمع کر دیتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ پرنسپل صاحب نے میری آدھی فیس معاف کر دی ہے، لیکن یہاں کی تو آدھی فیس بھی ہمارے لیے بہت ہے۔"

"میری ماں بہت عظیم ہے، تم لوگوں کو میں بتاؤں گی تو شاید یقین نہیں کروگی۔ میری ماں دن بھر محنت کرتی ہیں، دوسروں کے گھروں میں جھاڑو پوچھا کرتی ہیں اور میرے لیے پیسہ اکٹھا کر کے مجھ کو پڑھاتی ہیں یہاں تک کہ انھوں نے اپنے سارے زیور میری پڑھائی کے لیے بیچ دیے۔

اس لیے میری ماں بہت عظیم ہیں۔

■

Aiman Tanzeel
D/o Mr. Tanzeel Hasan
Shuter Khana Kohna
Near Masjid Chanda Khan
Rampur - 244901 (UP)

■ محمد افضل خان

ہندستانی بچوں کا گیت

ہم ہیں ہندستانی بچے، سیدھے سادے بھولے بھالے
پھول کے جیسا من ہے ہمارا، چاہے ہم ہوں گورے کالے
ہم کو سیاست سے کیا مطلب، ہم بچے ہیں پیار کے راہی
پیار کی بھاشا ہم بولیں گے، ننھے منے ہم ہیں سپاہی
دیکھنا جس دن ہم چمکیں گے بن کر سورج چاند ستارے
اس دن لوگو! چھٹ جائیں گے اس دھرتی سے سب اندھیارے
حامی ہم ہیں کمپیوٹر کے، نئے زمانے کے ہم بچے
ہرگز یہ دنیا نہ سمجھے ہم بچوں کو کھوٹے سکے
نفرت کو ہم دور کریں گے، پیار کا سودا عام کریں گے
افضل ساری دنیا میں ہم دیش کا اونچا نام کریں گے

■

Mohd Afzal Khan
76/4, Srinath Poral Lane, (Belilious Road)
1st Floor, Howrah 711101 (West Bengal)

شعیب رضا فاطمی

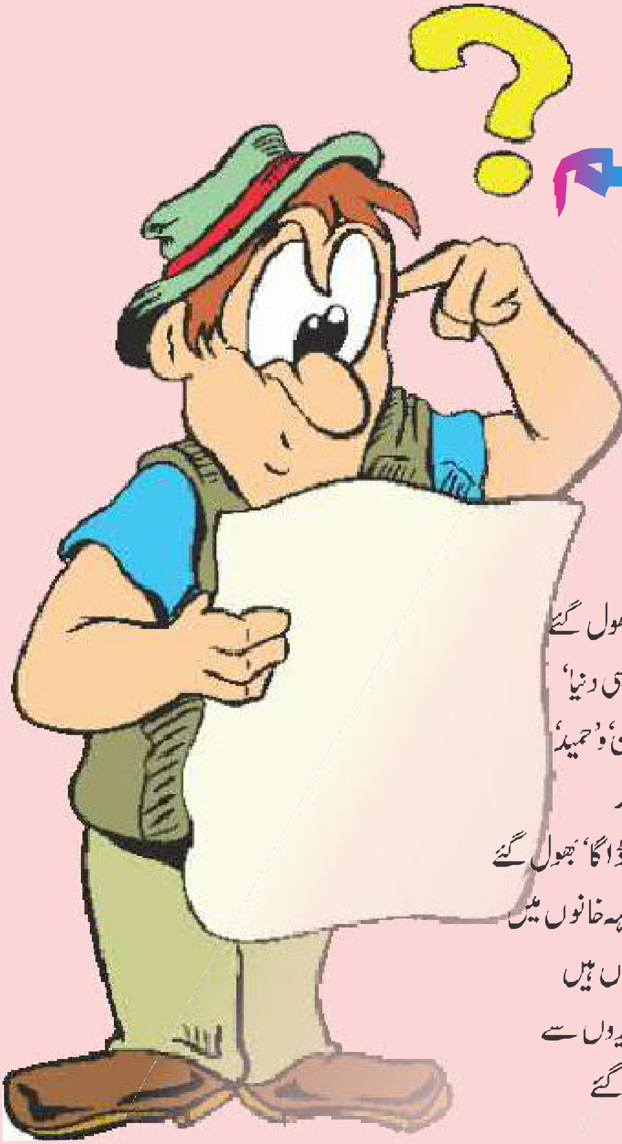

یادوں کا البم

لفظوں کی آرام گاہ میں
دستک دینا بھول گئے
حرف سمندر کی موجوں پر
ناؤ کا کھینا بھول گئے
بھول گئے صفحات پلٹنا
اور نشانی کی خاطر
وہ کاغذ کے تیر بنا کر
اسے سجانا بھول گئے
سوکھے پھول سے وابستہ
یادوں کے البم کھو بیٹھے
دیدہ زیب اخبار
کتابوں پر چڑھوانا بھول گئے
بھول گئے کالج میں وہ
تصویر کا تحفہ لینا دینا
اور کتاب کے صفحے پر
رکھ کر بتیانا بھول گئے
بھول گئے ہم 'پھول'، 'کھلونا'
آخر کو وہ بند ہوئے
اب 'بچوں کی دنیا' ہم
دہلی سے منگانا بھول گئے
بھولے ہم 'جاسوسی دنیا'
اور بھولے 'عمران' و 'حمید'
'مجرم' بھولے اور
'سیما'، 'زاہد' اور 'ڈاگا' بھول گئے
بس یادوں کے تہہ خانوں میں
کچھ لمحات آویزاں ہیں
ان لمحوں کی تصویروں سے
گرد ہٹانا بھول گئے

Shoaib Raza Fatmi
J -47/48, Top Floor, New Seelampur
Delhi - 110053
Mob.: 9968778671

سید پرویز قیصر

ٹسٹ کرکٹ میں ابھی تک 25 کھلاڑیوں نے 29 ٹریپل سنچریاں بنانے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ دوبئی میں پاکستان کے اظہر علی نے 658 منٹ میں 469 بالوں پر 23 چوکوں اور دو چھکوں کی مدد سے آؤٹ ہوئے بغیر 302 رن بنائے جو ٹسٹ کرکٹ میں پاکستان کے لیے چوتھی ٹریپل سنچری تھی۔ ویسٹ انڈیز کے خلاف یہ تیسری ٹریپل سنچری تھی۔

آسٹریلیا کے ڈان بریڈمین، ہندوستان کے ویریندر سہواگ اور ویسٹ انڈیز کے برائن لارا اور کرس گیل ایسے چار بلے باز ہیں جنھوں نے دو دو مرتبہ 300 سے بڑی اننگز کھیلی ہیں۔

ٹسٹ کرکٹ کی شروعات 1877 میں ہوئی تھی۔ پہلے 53 سالوں میں کوئی بھی بلے باز ٹریپل سنچری بنانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ ویسٹ انڈیز کے خلاف کنگسٹن میں 1929-30 میں انگلینڈ کے اینڈریو سنڈہام نے ٹسٹ کرکٹ میں پہلی ٹریپل سنچری بنانے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ انھوں نے 600 منٹ میں 640 بالوں پر 28 چوکوں کی مدد سے 325 رن بنائے تھے۔

حنیف محمد نے پاکستان کے لیے پہلی ٹریپل سنچری ویسٹ انڈیز کے خلاف ہی بنائی تھی۔ انھوں نے برج ٹاؤن میں 1957-58 میں 970 منٹ میں 24 چوکوں کی مدد سے 337 رن بائے تھے۔ یہ ٹسٹ کرکٹ میں وقت کے لحاظ سے سب سے بڑی اننگ تھی۔ لگ بھگ 42 سال تک یہ فرسٹ کلاس کرکٹ میں بھی سب سے لمبی اننگ تھی۔ ہماچل پردیش کے راجیو نایر نے جموں اینڈ کشمیر کے خلاف چمبا میں 1999-2000 میں 271 رن بنانے میں 1015 منٹ لے کر فرسٹ کلاس کرکٹ میں وقت کے لحاظ سے سب سے بڑی اننگ کھیلنے کا اعزاز حاصل کر لیا تھا۔

انضمام الحق پاکستان کے لیے دوسری ٹریپل سنچری بنانے میں کامیاب رہے تھے۔ نیوزی لینڈ کے خلاف لاہور میں

2001-02 میں انھوں نے 579 منٹ میں 436 بالوں پر 38 چوکوں اور 9 چھکوں کی مدد سے 329 رن بنائے تھے۔

پاکستان کے لیے تیسری ٹرپیل سنچری یونس خان نے بنائی تھی۔ سری لنکا کے خلاف کراچی میں 2008-09 میں یونس خان نے 760 منٹ میں 568 بالوں پر 27 چوکوں اور چار چھکوں کی مدد سے 313 رن بنائے تھے۔

ڈان بریڈمین کو آسٹریلیا کے لیے پہلی ٹرپیل سنچری بنانے کا اعزاز حاصل ہے۔ انھوں نے 1930 میں لیڈز میں انگلینڈ کے خلاف 383 منٹ میں 448 بالوں پر 46 چوکوں کی مدد سے 334 رن بنائے تھے۔ انھوں نے ٹسٹ کے پہلے دن یعنی 11 جولائی 1930 کو آؤٹ ہوئے بغیر 309 رن بنا ڈالے تھے۔ کھانے کے وقفہ سے پہلے اپنی سنچری مکمل کرنے کے بعد انھوں نے کھانے اور چائے کے وقفہ کے دوران اسکور 105 سے 220 کر دیا تھا یعنی وہ کھانے اور چائے کے وقفے کے دوران بھی سنچری بنانے میں کامیاب رہے تھے۔ انھوں نے چائے کے وقفہ کے بعد اپنے اسکور میں مزید 114 رن کا اضافہ کیا تھا۔ ایک دن میں ٹرپیل سنچری بنانے والے ڈان بریڈمین واحد بلے باز ہیں۔

چار سال بعد یعنی 1934 میں جب آسٹریلیا اور انگلینڈ کے درمیان ٹسٹ کھیلا گیا تھا تو ڈان بریڈمین نے اپنی دوسری ٹرپیل سنچری اسکور کی تھی۔ اس مرتبہ انھوں نے 430 منٹ میں 473 بالوں پر 43 چوکوں اور دو چھکوں کی مدد سے 304 رن بنائے تھے۔

ویسٹ انڈیز کے براین لارا کو ٹسٹ کرکٹ میں سب سے بڑی اننگ کھیلنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اپریل 2004 میں انگلینڈ کے خلاف سینٹ جونس میں انھوں نے 778 منٹ میں 582 بالوں پر 43 چوکوں اور چار چھکوں کی مدد سے آؤٹ ہوئے بغیر 400 رن بنائے تھے جو ٹسٹ کرکٹ میں ان کی دوسری ٹرپیل سنچری تھی۔ انھوں نے اپنی پہلی ٹرپیل سنچری انگلینڈ ہی کے خلاف اسی میدان پر 1993-94 میں بنائی تھی تب وہ 766 منٹ میں 538 بالوں پر 45 چوکوں کی مدد سے 375 رن بنانے میں کامیاب رہے تھے۔

ہندوستان کے وریندر سہواگ نے اپنی پہلی ٹرپیل سنچری پاکستان کے خلاف 2003-04 میں ملتان میں 531 منٹ میں

ٹسٹ کرکٹ میں ٹریپل سنچریاں بنانے والے کھلاڑی

اسکور	منٹ	بالیں	چوکے	چھکے	بلے باز	بمقابلہ	بمقام	سیزن
400*	778	582	43	4	برائن لارا (ویسٹ انڈیز)	انگلینڈ	سینٹ جونس	2003-04
380	622	437	38	11	میتھیو ہیڈن (آسٹریلیا)	زمبابوے	پرتھ	2003-04
375	766	538	45	-	برائن لارا (ویسٹ انڈیز)	انگلینڈ	سینٹ جونس	1993-94
374	752	572	43	1	مہیلا جے وردھنے (سری لنکا)	جنوبی افریقہ	کولمبو	2006-07
365*	614	-	38	-	گیری سوبرس (ویسٹ انڈیز)	پاکستان	کنگسٹن	1957-58
364	797	847	35	-	لین ہٹن (انگلینڈ)	آسٹریلیا	اوول	1938
340	799	578	36	2	سنتھ جے سوریہ (سری لنکا)	ہندوستان	کولمبو	1997-98
337	970	-	24	-	حنیف محمد (پاکستان)	ویسٹ انڈیز	برج ٹاؤن	1957-58
336*	318	-	34	10	والی ہیمنڈ (انگلینڈ)	نیوزی لینڈ	آکلینڈ	1932-33
334*	720	564	32	1	مارک ٹیلر (آسٹریلیا)	پاکستان	پشاور	1998-99
334	383	448	46	-	ڈان بریڈمین (آسٹریلیا)	انگلینڈ	لیڈز	1930
333	628	485	43	3	گراہم گوچ (انگلینڈ)	ہندوستان	لارڈز	1990
333	653	437	34	9	کرس گیل (ویسٹ انڈیز)	سری لنکا	گالے	2010-11
329*	609	468	99	1	مائیکل کلارک (آسٹریلیا)	ہندوستان	سڈنی	2011-12
329	579	436	38	9	انضمام الحق (پاکستان)	نیوزی لینڈ	لاہور	2001-02
325	600	640	28	-	اینڈریو سنڈہام (انگلینڈ)	ویسٹ انڈیز	کنگسٹن	1929-30
319	530	304	42	5	وریندر سہواگ (ہندوستان)	جنوبی افریقہ	چنئی	2007-08
319	551	482	32	8	کمار سنگاکارا (سری لنکا)	بنگلہ دیش	چٹاگانگ	2013-14
317	630	483	37	3	کرس گیل (ویسٹ انڈیز)	جنوبی افریقہ	سینٹ جونس	2004-05
313	760	568	27	4	یونس خان (پاکستان)	سری لنکا	کراچی	2008-09
311*	790	529	35	-	ہاشم آملہ (جنوبی افریقہ)	انگلینڈ	اوول	2012
311	762	743	23	1	بابی سمپسن (آسٹریلیا)	انگلینڈ	مانچسٹر	1964
310*	532	450	52	5	جان ایڈریچ (انگلینڈ)	نیوزی لینڈ	لیڈز	1965
309	531	375	39	6	وریندر سہواگ (ہندوستان)	پاکستان	ملتان	2003-04
307	727	589	20	-	رابرٹ کوپر (آسٹریلیا)	انگلینڈ	ملبورن	1965-66
304	430	473	43	2	ڈان بریڈمین (آسٹریلیا)	انگلینڈ	لیڈز	1934
302*	658	469	23	2	اظہر علی (پاکستان)	ویسٹ انڈیز	دوبئی	2016-17
302	612	430	36	1	لارنس رو (ویسٹ انڈیز)	انگلینڈ	برج ٹاؤن	1973-74
302	775	559	32	4	برینڈن میکولم (نیوزی لینڈ)	ہندوستان	ویلنگٹن	2013-14

375 بالوں پر 39 چوکوں اور چھ چھکوں کی مدد سے 309 رن بنا کر مکمل کی تھی۔

جنوبی افریقہ کے خلاف چینئی میں 08-2007 میں کھیلے گئے ٹسٹ میں وریندر سہواگ نے اپنی دوسری ٹرپیل سنچری 530 منٹ میں 304 بالوں پر 42 چوکوں اور پانچ چھکوں کی مدد سے 319 رن بنائے تھے۔ انھوں نے صرف 278 بالوں پر 300 رن مکمل کیے تھے جو ٹسٹ کرکٹ میں بالوں کے حساب سے سب سے تیز ٹرپیل سنچری تھی۔

ٹسٹ کرکٹ میں دو ٹرپیل سنچریاں بنانے والے چوتھے کھلاڑی ویسٹ انڈیز کے کرس گیل تھے۔ جنوبی افریقہ کے خلاف سینٹ جونس میں 05-2004 میں کھیلے گئے ٹسٹ میں کرس گیل نے 630 منٹ میں 483 بالوں پر 37 چوکوں اور تین چھکوں کی مدد سے 317 رن بنانے کے بعد 11-2010 میں وہ سری لنکا کے خلاف 653 منٹ میں 437 بالوں پر 34 چوکوں اور 9 چھکوں کی مدد سے 333 رن بنانے میں کامیاب رہے تھے۔

ابھی تک جو 29 ٹرپیل سنچریاں اسکور کی گئی ہیں اس میں سے 11 ان میچوں میں بنائی گئی ہیں جس میں ٹیم کو جیت حاصل ہوئی ہے۔ 18 ٹرپیل سنچریاں ڈرا رہنے والے میچوں میں بنائی گئی ہیں۔

صرف دو کھلاڑیوں نے ٹیم کی دوسری اننگ میں ٹرپیل سنچریاں اسکور کی ہیں۔ پاکستان کے حنیف محمد کے علاوہ ایسا نیوزی لینڈ کے برینڈن میکولم نے کیا ہے۔ ہندوستان کے خلاف ولنگٹن میں 14-2013 میں کھیلے گئے ٹسٹ میں انھوں نے 775 منٹ میں 559 بالوں پر 32 چوکوں اور چار چھکوں کی مدد سے 302 رن بنائے تھے۔

آسٹریلیا کی جانب سے سب سے زیادہ ٹرپیل سنچریاں اسکور کی گئی ہیں جبکہ انگلینڈ کے خلاف سب سے زیادہ مرتبہ 300 سے بڑی اننگز کھیلی گئی تھیں۔ آسٹریلیا کے سات بلے بازوں نے ٹرپیل سنچریاں اسکور کی ہیں جبکہ انگلینڈ کے خلاف آٹھ ٹرپیل سنچریاں بنائی گئی ہیں۔

ہندوستان کے خلاف چار، نیوزی لینڈ، پاکستان، جنوبی افریقہ اور ویسٹ انڈیز کے خلاف تین تین ٹرپیل سنچریاں اسکور ہوئی ہیں۔ سری لنکا کے خلاف دو اور آسٹریلیا بنگلہ دیش اور زمبابوے کے خلاف ایک ایک مرتبہ 300 سے بڑا انفرادی اسکور بنایا گیا ہے۔

انگلینڈ کی جانب سے پانچ، پاکستان کے لیے چار، ویسٹ انڈیز کے لیے چھ اور سری لنکا کے لیے تین ٹرپیل سنچریاں بنی ہیں۔ جنوبی افریقہ اور نیوزی لینڈ کے لیے ایک ایک ٹرپیل سنچری بنی ہے۔ زمبابوے اور بنگلہ دیش کا کوئی بھی کھلاڑی ابھی تک ایسا کرنے میں ناکام رہا ہے۔

اظہر علی کی ٹرپیل سنچری دن اور رات کے ٹسٹ میں پہلی ٹرپیل سنچری تھی۔ گلابی رنگ کی بال پر وہ سنچری اور ڈبل سنچری بھی بنانے میں کامیاب رہے۔ یہ ٹسٹ دن اور رات کا دوسرا ٹسٹ تھا۔ اس سے قبل آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے 16-2015 میں ایڈیلیڈ میں پہلا دن اور رات کا ٹسٹ کھیلا گیا تھا جس میں کوئی بھی کھلاڑی سنچری بنانے میں کامیاب نہیں رہا تھا۔

سینٹ جونس اور لیڈز کے میدانوں پر تین تین مرتبہ ٹرپیل سنچریاں بنی ہیں۔

■

S. Pervez Qaiser
1407 Qasim Jan Street
Ballimaran, Delhi - 110006

محمد فروغ جعفری

ٹوپی والا

تاج سے ٹوپی بننے تک ایک لمبی کہانی ہے۔ مگر یہاں بچوں، ہم آپ کو ملائیں گے کریم ٹوپی والے کے بیٹے رحیم ٹوپی والے سے۔ رحیم جب جوان ہوا تو اس نے اپنی زندگی کی گزر بسر کے لیے اپنے آبائی یعنی ٹوپی فروخت کرنے کے پیشے کو اپنایا بس فرق اتنا تھا کہ اس کے والد کریم ٹوپی والے اپنی ٹوپیاں فروخت کرنے دوسرے گاؤں پیدل یا بس سے سفر کرتے تھے۔ مگر رحیم نے اپنے لیے ایک سیکنڈ ہینڈ بائیک خرید لی جس پر اپنی ٹوپیوں کی تھیلی ٹانگ کر وہ دوسرے گاؤں فروخت کرنے جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حسبِ معمول وہ اپنی ٹوپیاں فروخت کرنے اپنی بائیک پر دوسرے گاؤں کی جانب محوِ سفر تھا کہ راستے میں ایک جگہ جہاں آس پاس اچھی خاصی تعداد میں گھنے درخت موجود تھے، اس کی بائیک خراب ہوگئی۔ رحیم راستے سے اپنی بائیک ہٹا کر ایک درخت کی چھاؤں میں آ گیا۔ اسٹینڈ پر اپنی بائیک کھڑی کرنے کے بعد وہ جھک کر بائیک کے انجن میں خرابی تلاش کرنے لگا۔ جس درخت کے سائیڈ میں وہ اپنی بائیک درست کر رہا تھا اُس درخت پر بندروں کا ایک گروہ آباد تھا۔ بائیک لاکھ کوششوں کے بعد بھی ٹھیک نہیں ہو رہی تھی۔ رحیم کو مصروف دیکھ کر ایک بندر اس کی ٹوپیوں کی تھیلی سے ایک

ٹوپی لے کر چلا گیا۔ رحیم کو اپنی مصروفیت کی وجہ سے احساس ہی نہیں ہوا۔

بندر کی اِس حرکت پر دیگر بندروں نے بھی اس کی پیروی کی اور رحیم کی تھیلی سے باری باری ایک ایک بندر ٹوپی لے لے کر درخت پر چلے گئے۔ اس طرح رحیم کی تھیلی سے ساری ٹوپیاں بندروں کے پاس پہنچ گئیں۔ اچانک رحیم کی بائیک اسٹارٹ ہوگئی۔ رحیم کے حواس جب بحال ہوئے تو وہ دیکھ کر چونک گیا کہ اس کی ٹوپیوں کی تھیلی خالی ہے۔ اُس نے راستے پر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی کہ شاید اس کی ٹوپیاں راستے میں کہیں گر گئی ہوں گی مگر راستہ دور تک سنسان تھا۔ وہ پریشان ہو اٹھا۔ پریشانی کے عالم میں اس نے اپنی ٹوپی اتاری اور اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

بالوں میں انگلیاں پھیرتے وقت جب اس کی نظریں درخت پر گئیں تو وہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ درخت پر وہی شریر بندروں کا گروہ اس کی ٹوپیاں پہنے اس کی جانب عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے میں رحیم کے ذہن میں اپنے والد کے ساتھ گزرا وہ واقعہ یاد آ گیا جس میں اس کے والد کی ٹوپیوں کی تھیلی میں سے بھی بندروں نے اس طرح ٹوپیاں غائب کردی تھیں۔

لہٰذا رحیم نے بھی اپنے والد کی چال پر عمل کرنے کی ٹھانی۔ رحیم نے اپنے سر پر رکھی ٹوپی اُتار کر زمین پر رکھی کافی دیر تک رحیم بندروں کے ردِعمل کا انتظار کرتا رہا۔ وہ مزید حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ کیونکہ اس کے والد کی ٹوپیاں غائب کرنے والے بندروں نے اس کے والد کریم کو ان کی ٹوپی زمین پر رکھنے کے بعد اپنی اپنی ٹوپیاں بھی اتار کر زمین کی طرف پھینک دی تھیں مگر اس بار بندروں نے جیسے ٹھان رکھا تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کی طرح ٹوپیاں نہیں پھینکیں گے۔ رحیم ابھی اپنی ٹوپی زمین پر رکھ کر بندروں کے ردِعمل کا انتظار کر ہی رہا تھا کہ ایک بندر بڑی تیزی سے آ کر رحیم کی ٹوپی بھی لے کر درخت پر بھاگ گیا۔

رحیم یہ دیکھ کر بالکل سکتے میں آ گیا۔ کافی دیر تک اس کے حواس بحال نہیں ہوئے وہ پریشانی میں دیوانوں کی طرح کبھی بندروں کو دیکھتا کبھی سنسان راستے پر۔ اُس جگہ کوئی یار نہ کوئی مددگار رحیم اپنی اس حالت پر آنسو بہائے جا رہا تھا۔ آخر پریشان ہوکر اس نے ایک فیصلہ کیا۔ اُدھر بندر اس کی ٹوپیاں پہنے اسے بڑے ہی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ رحیم نے اپنی بائیک کا سائلینسر Silencer پر نکالا اور بائیک اسٹارٹ کردی جس کے بعد ایسا شور اٹھا کہ بندروں کے دل دہل گئے۔ بندر خوف کے مارے شاخوں پر اِدھر اُدھر اچھلنے لگے۔

رحیم نے یہ دیکھ کر اپنی بائیک کو مزید (Race) ریس دی جس سے شور میں بھی کافی اضافہ ہوگیا جو بندروں کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگیا۔ بندروں کی یہ حالت دیکھ کر رحیم نے مزید Race دی جس سے بندر پریشان ہو اٹھے۔ آخر تنگ آ کر بندروں نے اپنی ٹوپیاں زمین پر پھینکنی شروع کردیں۔ کچھ دیر میں رحیم کی ساری ٹوپیاں زمین پر بکھری تھیں۔ جسے جمع کر کے رحیم نے دوبارہ اپنی تھیلی میں رکھا۔ سائلنسر (Silencer) دوبارہ اپنی بائیک میں فٹ کیا اور خوشی خوشی اپنے گاؤں کی طرف چل دیا۔

■

Mohd Farogh Jafri
67, Hudco Colony,
Malegaon (Maharashtra)

ساجد بدر

نظم

نادان کتّا

سنیے اک کتے کی کہانی ہے یہ کہانی بہت پرانی
بھاری بھرکم جسم تھا اس کا طاقت میں تھا شیر کا ثانی
ہر اک سے تھا رگڑا جھگڑا سب سے اس کی کھینچا تانی
عقل نہیں تھی نام کو اس میں بھری ہوئی تھی بس نادانی
اک شب جب کہ چاند تھا روشن رات تھی اُجلی اور سہانی
گزرا ایک ندی کے پل سے اوپر تھا وہ نیچے پانی
روٹی کا ٹکڑا تھا منھ میں چال خوشی سے تھی مستانی
دیکھ کے پانی میں اک کتا اس کے غضب میں آئی روانی
بھوں بھوں کرتا منھ جب کھولا لے گیا ٹکڑا بہتا پانی
دوسرا کتا عکس تھا اس کا اس پہ جھپٹنا تھی نادانی
رات کو بھوکا سویا ناداں کہیں نہ پایا کھانا پانی

کرتی ہے نقصان اے ساجد
ہر اک کا سچ ہے نادانی

Sajid Badar
Isroli, Sarai Meer
Azamgarh (UP)

حیدر بخش حیدری

ساتویں قسط

اب تک آپ نے پڑھا کہ

ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔ خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔ حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔ اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنی شروع کردی۔ یہ دیکھ کر اس کی دایہ نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کر لے اُس سے شادی کر و اور چین وسکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو نے جب بادشاہ سے شکایت کی تو بادشاہ نے اسے جھوٹا قرار دے کر شہر سے نکال دیا۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دایہ ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک رات حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دایہ کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لا دی۔ بادشاہ یہ سب جان کر بہت شرمندہ ہوا اور حسن بانو کی ساری دولت واپس کردی۔ حسن بانو اب ہنسی خوشی رہنے لگی اور اللہ کی راہ میں اپنی دولت لٹانے لگی۔ شہر خوارزم کے شہزادے منیر شامی کو بھی حسن بانو کے حسن اور سخاوت کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آ پہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لا دو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر

شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈھنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔ حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اور حسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔

حاتم ایک جنگل میں پہنچا جہاں اُسے ایک ہرنی ملتی ہے۔ حاتم نے ایک بھیڑیے سے ہرنی کی جان بچائی اور آگے نکل گیا۔ اُس نے بعد میں ایک گیدڑ کی بھی مدد کی۔ گھنے جنگلوں میں حاتم ریچھوں سے گھر جاتا ہے۔ ریچھ کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سے حاتم کی شادی کردی۔ کچھ مہینوں کے بعد حاتم نے وہاں سے دشت ہویدا کی راہ لی جہاں اسے پہلے سوال کا جواب ملنا تھا۔ بڑی مشکل سے حاتم دشت ہویدا پہنچا اور اس شخص سے ملاقات کی جو جنگل میں مارامارا پھر رہا تھا۔ حاتم نے اس کی مشکل آسان کردی اور پہلے سوال کا جواب تلاش کرلیا۔ حاتم واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس سے دوسرا سوال پوچھا اور اس کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم دوسرے سوال نیکی کر اور دریا میں ڈال کا جواب لانے نکل پڑا۔ راستے میں اُسے ایک نوجوان ملا۔ حاتم نے اپنی بہادری سے اس کی مشکل حل کی اور اس کی شادی کرائی۔ اس کے بعد حاتم آگے بڑھا۔ راستے میں اس نے ایک بستی والوں کو ایک بلا سے نجات دلائی۔ ایک شہزادی کو جن سے آزاد کرایا اور اس شہزادی سے شادی کرلی۔ اب آگے:

شادی کے بعد حاتم یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی جانب چل پڑا اور یوسف سوداگر کی دولت زمین سے نکال کر خیرات کی اور اُس کو عزیزوں میں تقسیم کردی۔ واپس وہ یوسف سے ملنے آیا جہاں اب اس کی سزا ختم ہوچکی تھی۔ اس کے بعد حاتم نے سات چوروں کی مدد کی اور انھیں دولت دے کر چوری سے باز آنے کو کہا۔ حارث کی بیٹی کو جا کر بتایا کہ تیرے دو سوال پورے ہوچکے ہیں اور تیسرا سوال بتا۔ حاتم نے جلدی سے تیسرا سوال بھی پورا کردیا اور حارث کی بیٹی نے وعدے کے مطابق سوداگر کے لڑکے سے شادی کرلی۔ اس کے بعد حاتم نے نیکی کر اور دریا میں ڈال کا بھید معلوم کیا اور واپس جا کر حسن بانو سے ملا اور تیسرے سوال ''کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا'' کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم جب تیسرے سوال کا جواب لانے نکلا تو اسے کافی دیر چلنے کے بعد ایک بڑا پہاڑ دکھائی دیا جس پر ایک نوجوان پریشان حال کھڑا تھا۔ حاتم نے اس کا حال دریافت کیا اور اس کی پریشانی دور کی۔ اُس کے بعد حاتم نے دو جنوں کا مسئلہ حل کیا اور آگے بڑھا۔ بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں کے بعد حاتم اپنی منزل پر پہنچتا ہے جہاں ایک نابینا بوڑھا آدمی موجود تھا جو چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔ حاتم نے اس کی داستان سنی اور نور ریز گھاس کا عرق لا کر اُس کی آنکھوں میں ڈالا جس سے اُس کی آنکھوں کی روشنی واپس آگئی۔ حاتم نے اسے خدا حافظ کہا اور واپس حسن بانو کے پاس پہنچا اور چوتھا سوال بتانے کی درخواست کی۔

حسن بانو نے حاتم سے کہا کہ چوتھے سوال ''سچے کو ہمیشہ رحمت ہے'' کا جواب لے کر آ۔ حاتم شاہ آباد سے نکلا اور چلتے چلتے پریوں اور جادوگروں کے پاس پہنچا اور احمر جادوگر کی بیٹی سے شادی کرلی۔ شادی کے لیے حاتم کو کملاق اور احمر جادوگر سے جنگ کرنی پڑی۔ حاتم نے حضرت خضر کے سکھائے اسم اعظم کی مدد سے سب کو زیر کرلیا۔ اُس کے بعد چوتھے سوال کا بھید معلوم کیا اور واپس حسن بانو کی حویلی پہنچا اور پانچواں سوال پوچھا۔

پانچواں سوال

کوہِ ندا کی خبر لانا

حسن بانو نے حاتم سے کہا "ایک پہاڑ ہے جس کا نام کوہِ ندا ہے۔ اُس سے ایک آواز آتی ہے۔ میرا پانچواں سوال یہ ہے کہ وہ پہاڑ کہاں ہے اور اُس سے آنے والی آواز کا بھید کیا ہے؟" حاتم نے کہا "اللہ نے چاہا تو میں اِس سوال کا جواب بھی جلد لے کر آؤں گا۔"

اب حاتم پانچویں سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ جس بستی سے گزرتا کوہِ ندا کا پتہ پوچھتا۔ ہر انسان حیرت سے حاتم کا منہ تکتا کیونکہ کسی نے بھی اس کا نام نہ سنا تھا مگر حاتم نے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔ اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے قریب پہنچا۔ میدان میں لوگ جمع تھے۔ حاتم کو دیکھ کر اس کی طرف دوڑے۔ بولے "اے مسافر! خوش آمدید۔ ہم ایک ہفتے سے تیرا انتظار کر رہے تھے۔"

حاتم مجمعے کے قریب پہنچا تو دیکھا دسترخوان بچھا ہے۔ طرح طرح کے کھانے چنے ہیں۔ پاس ہی ایک جنازہ رکھا ہوا ہے۔ حاتم بڑا حیران ہوا۔ لوگوں سے پوچھا "یہ میت کس کی ہے۔ اِسے دفناتے کیوں نہیں؟" انھوں نے کہا ہمارے شہر کا دستور ہے کہ کوئی مر جاتا ہے تو اس کا جنازہ جنگل میں لا کر رکھ دیتے ہیں اور عمدہ کھانے پکا کر کسی مسافر کا انتظار کرتے ہیں۔ جب تک کوئی مسافر نہ آئے مردے کو دفن نہیں کرتے۔ اِسے مرے سات دن ہو گئے۔ ہم اسی طرح کھانے پکا کر روز کسی مسافر کا راستہ دیکھتے تھے۔ اللہ کا شکر کہ آج اُس نے تجھے یہاں بھیج دیا۔"

حاتم یہ بات سن کر بڑا حیران ہوا۔ آخر لوگوں نے مردے کو قبر میں اتارا اور دسترخوان کے چاروں طرف آ بیٹھے۔ پہلے حاتم کو کھلایا پھر اوروں نے کھایا۔ اس کے بعد سب نہائے دھوئے اور اجلے اجلے کپڑے پہن کر اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔ کچھ لوگ حاتم کو اپنے ساتھ شہر لے گئے۔ کئی دن تک مہمان رکھا۔ جب حاتم نے کوچ کا ارادہ کیا تو لوگوں نے

سفر کا مقصد پوچھا۔ حاتم نے سارا قصہ سنا کر کہا کہ ''مجھے کوہِ ندا کی تلاش ہے۔''

یہ سن کر ایک شخص بولا ''میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ دکن کی طرف ایک طلسمات ہے۔ اس کے بائیں طرف ایک عالی شان شہر بستا ہے۔ وہاں نہ کسی نے مردہ دیکھا اور نہ قبر۔'' حاتم نے کہا ''مجھے اسی سمت جانا چاہیے۔'' یہ کہہ کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور دکن کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے ایک شہر کے قریب پہنچا۔ دیکھا اُس کے آس پاس کسی قبر کا نشان نہیں۔ سمجھا یہی وہ شہر ہے جس کا پتہ اس بزرگ نے دیا تھا۔

حاتم شہر کے اندر داخل ہوا۔ لوگ بڑی خاطر تواضع سے پیش آئے۔ ایک شخص نے حاتم کو اپنا مہمان کیا اور اپنے گھر لے گیا۔ دسترخوان بچھایا اور روٹی سالن رکھ کر بولا ''اے مسافر! آج تیرے لیے وہ نعمت لایا ہوں کہ کبھی چکھی نہ ہوگی۔'' حاتم نے کہا ''اے معزز میزبان! میری ساری عمر سیر و سفر میں کٹی ہے۔ کوئی جانور اور کوئی پرندہ ایسا نہیں جس کا گوشت میں نے نہ کھایا ہو۔ تو انوکھی چیز کہاں سے لایا ہے؟'' وہ بولا ''تو ٹھیک کہتا ہے مگر یہ گوشت آدمی کا ہے۔'' یہ سنتے ہی حاتم نے ہاتھ کھینچ لیا اور بولا ''تم لوگوں نے یقیناً کسی مسافر کی جان لی ہے اور اُس کا گوشت مجھے کھلاتے ہو۔''

یہ سن کر وہ شخص بولا ''بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم کسی مہمان کی جان لے لیں۔'' حاتم نے کہا ''پھر یہ کیا بھید ہے؟'' وہ بولا ''ہماری بستی کا دستور ہے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو مرنے سے پہلے اُسے ذبح کردیتے ہیں اور اس کا گوشت بانٹ کھاتے ہیں۔ اسی لیے نہ ہمارے شہر میں کوئی مرتا ہے نہ کوئی قبر بنتی ہے۔'' یہ سن کر حاتم کا غصہ قابو سے باہر ہوگیا اور بولا ''لعنت ہے تم پر اور تمھارے رواج پر۔ اچھوں کو بیمار اور بیماروں کو اچھا کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ تم خدا کی خدائی میں دخل دیتے ہو اور بے گناہوں کا خون اپنے سر لیتے ہو۔''

یہ کہہ کر حاتم اُس شہر سے باہر نکل گیا۔ بھوکا تھا۔ دن نکلنا مشکل ہوگیا۔ شکار کرکے پیٹ بھرا اور اللہ کا شکر ادا کرکے آگے بڑھ گیا۔ راستے میں دیکھا کہ شہر کے باہر ایک میدان میں لوگ جمع ہیں اور آگ جلائے اس کے گرد کھڑے ہیں۔ حاتم نے پوچھا ''کیا ماجرا ہے؟'' لوگوں نے کہا ''تجھے اس سے کیا لینا۔ تو مسافر ہے اپنا راستہ پکڑ۔'' حاتم نے کہا ''دوستو! خفا کیوں ہوتے ہو۔ میں نے تو یوں ہی ہمدردی سے ایک بات پوچھ لی۔ تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔'' یہ سن کر وہ لوگ شرمندہ ہوگئے۔ کہنے لگے ''ہمارے شہر کا ایک آدمی مر گیا ہے۔ اُسے اور اس کی بیوی کو جلانے کے لیے یہ آگ دہکائی ہے۔''

حاتم ہکا بکا رہ گیا۔ بولا ''دوستو! یہ عجب دستور ہے کہ مردوں کے ساتھ جیتوں کو بھی جلاتے ہو۔'' انھوں نے کہا ''اے مسافر! تو اجنبی ہے۔ شاید پہلی بار ہمارے دیس میں آیا ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔ ہمارا یہ دستور آج کا نہیں مدتوں کا ہے کہ شوہر کے مرنے پر بیوی اپنی خوشی سے اُس کے ساتھ جل جاتی ہے۔ تمھیں یقین نہ ہو تو آج خود دیکھ لینا۔''

حاتم وہیں ٹھہر گیا۔ ذرا دیر میں لوگ مردے کو لائے۔ آگے آگے ایک جوان عورت چل رہی تھی۔ دلہنوں کی طرح سرخ لباس پہنے، سارا زیور سجائے، سولھا سنگار کیے اور ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لیے خوشی خوشی آگ کی طرف چلی جارہی تھی۔ حاتم آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ لوگوں نے لاش کو آگ میں رکھ دیا اور عورت مسکراتی ہوئی آگ میں کود پڑی۔ دونوں ذرا سی دیر میں جل کر راکھ ہوگئے۔ اس کے بعد لوگ شہر کو لوٹ گئے۔ حاتم کے ہوش و حواس درست ہوئے تو وہ بھی اپنی منزل

کی طرف چل دیا۔

آگے جا کر ایک اور منظر دیکھا۔ لوگ زبردستی ایک زندہ آدمی کو قبر میں دبائے دیتے ہیں اور وہ چیخ پکار مچا رہا ہے۔ حاتم نے وہاں جا کر انھیں روکا اور پوچھا ''یہ کیا قصہ ہے؟'' لوگوں نے کہا ''ہمارے سردار کی بیٹی مرگئی ہے۔ یہ اُس کا شوہر ہے۔ ہمارا دستور ہے کہ بیوی کے ساتھ شوہر کو زندہ دفن کر دیتے ہیں مگر یہ آدمی راضی نہیں ہوتا۔'' حاتم نے کہا ''مردوں کے ساتھ زندوں کو گاڑ دینا کہاں کا انصاف ہے؟'' مگر وہ نہ مانے۔ آخر طے پایا کہ حاتم ان کے سردار سے بات کرے۔

حاتم نے سردار کو سمجھانا چاہا مگر اس نے کہا ''میرا داماد ایک مسافر تھا۔ اس نے میری بیٹی سے شادی کرنی چاہی تو میں نے اپنے شہر کا دستور اسے سمجھا دیا۔ اُس وقت تو وہ راضی ہوگیا۔ اب آزمائش کا وقت آیا تو اپنی بات سے پھرتا ہے۔'' حاتم نے اُس شخص سے کہا ''آخر تو نے جھوٹا وعدہ کیا ہی کیوں تھا؟'' وہ بولا ''میں نے تو بغیر سوچے سمجھے یوں ہی ہاں کر دی تھی۔'' حاتم نے کہا ''اب اگر تو خوشی سے دفن نہیں ہوتا تو یہ لوگ زبردستی تجھے گاڑ دیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تو خوشی سے دفن ہو جا۔ میں رات کو تجھے نکال لوں گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کو حاتم نے قبر کھول کر اسے نکال لیا اور مٹی برابر کر دی۔

اگلے دن حاتم کوہِ ندا کی تلاش میں روانہ ہونے لگا تو سردار نے کہا ''کوہِ ندا یہاں سے دور نہیں۔ اس کے دو راستے ہیں۔ بائیں طرف کا راستہ خطرناک ہے۔ اس سے ہرگز نہ جانا۔ داہنی طرف کا راستہ ٹھیک رہے گا۔'' حاتم سردار کا شکریہ ادا کر کے چل نکلا۔ دس دن تک سیدھا چلا گیا۔ گیارھویں دن وہ دوراہا ملا جس کا سردار نے ذکر کیا تھا لیکن سردار کی نصیحت بھول کر حاتم بائیں طرف چل دیا۔

دو دن اسی راستے پر چلتا رہا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ جنگل کے سارے جانور کیا شیر اور کیا ہاتھی سب بھاگے چلے آتے ہیں۔ حاتم نے سوچا یقیناً کوئی خوفناک جانور ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ حاتم پیڑ پر چڑھ گیا اور وہاں سے تماشا دیکھنے لگا۔ ذرا دیر میں ایک چھوٹا سا جانور بڑی بھیانک شکل کا دکھائی دیا جس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ حاتم بھی اسے دیکھ کر

ڈر گیا اور کمر سے خنجر نکال لیا۔

اتفاق سے وہ جانور اسی درخت کے نیچے آ کر رُکا اور آدمی کی بو پا کر اُچھلنے لگا۔ حاتم نے ایسا تلا ہوا ہاتھ مارا کہ سامنے کے دونوں پیر کٹ کر گر پڑے۔ وہ دوبارہ حاتم پر جھپٹا مگر حاتم کے دوسرے وار نے اُس کی آنتیں باہر نکال دیں۔ خون کی چھینٹیں اِدھر اُدھر اڑنے لگیں۔ خون کی بوند جہاں گرتی وہاں آگ لگ جاتی۔ حاتم دیر تک پیڑ پر بیٹھا رہا۔ جب آگ بجھ گئی تو نیچے اُترا۔ جانور اب دم توڑ چکا تھا۔ حاتم نے اس کے دانت، دُم اور کان کاٹ کر تھیلے میں رکھ لیے اور آگے چلا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد اُسے ایک قلعہ نظر آیا۔ حاتم اندر داخل ہوگیا۔ مکان عالی شان، دکانیں سامان سے بھری ہوئی، مگر آدمی کا نام ونشان نہ تھا۔ بڑا چکرایا۔ سمجھا اس شہر کے رہنے والے کسی دیو بھوت سے ڈر کر بھاگ گئے ہیں۔ چلتے چلتے حاتم شاہی محل میں داخل ہوگیا۔ وہاں بادشاہ، اُس کے رشتہ دار اور کچھ نوکر چاکر موجود تھے۔ پہلے نوکروں نے حاتم کو دیکھا اور حیران ہوئے کہ آج مسافر کیسے اِدھر آ نکلا۔ اتنے میں بادشاہ نے اوپر کھڑکی سے سر نکال کر جھانکا اور حاتم سے پوچھا ”اے مسافر! تو کون ہے، کہاں سے آتا ہے اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“

حاتم نے عرض کیا ”میں شاہ آباد سے آیا ہوں اور کوہِ ندا جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“ بادشاہ نے کہا ”اے عزیز! تو راستہ بھول گیا ہے اور شاید تیری موت تجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔“ حاتم نے کہا ”ٹھیک ہے۔ اگر میری موت ہی مجھے یہاں کھینچ لائی ہے تو اس سے کون بچا سکتا ہے مگر تو بتا کہ کیوں محل میں بند ہو کر بیٹھا ہے اور تیرے شہر میں کیوں خاک اڑ رہی ہے؟“

بادشاہ نے کہا ”میرے شہر میں ایک بلا آئی ہے جس نے ہزاروں کو ہلاک کر دیا۔ اُسی کے ڈر سے میری ساری رعایا شہر چھوڑ کر بھاگ گئی۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ اُسی بلا کا ذکر ہے جس کا وہ کام تمام کر چکا ہے۔ اُس نے کہا ”اے بادشاہ! مبارک ہو۔ اللہ نے تجھے اور تیری رعایا کو اس خوفناک بلا سے چھٹکارا دلایا۔“ حاتم نے بلا کے مارے جانے کا سارا قصہ سنایا اور تھیلے سے اُس کے کان، دانت اور دُم نکال کر دکھائے۔ بادشاہ فوراً نیچے اُتر آیا اور حاتم کو گلے سے لگا لیا۔ اس کی بڑی شاندار دعوت کی۔ پھر چاروں طرف ہرکارے دوڑا کر سب کو خبر کرا دی کہ بلا سے نجات مل گئی۔ حاتم کے سامنے ہی شہر دوبارہ پھر سے آباد ہونے لگا۔

حاتم وہاں سے رخصت ہو کر پھر کوہِ ندا کی طرف چلا۔ چلتے چلتے ایک شہر میں جا نکلا۔ لوگوں نے بڑی خاطر تواضع کی اور اُسے شہر کے رئیس کے پاس لے گئے۔ اُس نے کہا ”اے مسافر! خوش آمدید۔ اِس شہر میں یا تو سکندر بادشاہ آیا تھا یا آج تو آیا ہے۔ لیکن یہ بتا تیرا اِدھر کیسے گزر ہوا؟“

حاتم نے ساری داستان سنائی اور کہا ”تجھے کوہِ ندا کا کچھ حال معلوم ہو تو بتا۔“ رئیس نے کہا ”وہ ایسی چیز نہیں جس کا حال کوئی کسی کو بتا سکے۔ تو کوئی دن یہاں رہ۔ خود ہی کچھ نہ کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔“ اُس نے حاتم کے لیے ایک مکان کا بندوبست بھی کر دیا۔ حاتم آرام سے وہاں رہنے لگا۔

ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا۔ حاتم بیٹھا لوگوں سے باتیں کر رہا تھا کہ شہر کے قریب والے پہاڑ سے آواز آئی 'یا اخی، یا اخی'۔ یہ آواز سنتے ہی ایک نوجوان اٹھا اور بے تحاشا پہاڑ کی طرف دوڑنے لگا۔ حاتم اُس کے پیچھے دوڑا۔ بار بار اُس سے پوچھتا تھا ”اے عزیز! تجھے کس نے بلایا ہے اور کہاں جانا ہے؟“ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پہاڑ پر نظریں جمائے

اسی طرف بھاگتا رہا۔

ذرا دیر میں وہ نوجوان اور پہاڑ دونوں حاتم کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ حاتم افسوس کرتا ہوا لوٹ آیا اور امید کے خلاف سب کو خوش پایا۔ حاتم نے اُس نوجوان کو یاد کیا تو لوگ بولے ”یہاں کوئی کسی کے لیے نہیں روتا۔ ہمارے دیس کی یہی ریت ہے۔ اگر چاہتا ہے کوئی دن ہمارا مہمان رہے تو وہی کر جو یہاں کا دستور ہے۔“ حاتم بیچارہ چپ ہو رہا۔ لیکن سوچتا تھا حسن بانو کو کوہِ ندا کا حال کیسے بتاؤں گا۔ حاتم چھ مہینے اس شہر

میں رہا اور پندرہ آدمی اس پہاڑ کی آواز کا لقمہ بنے۔ جو گیا پھر لوٹ کر نہ آیا۔

حاتم کی دوستی ایک نوجوان سے ہوگئی۔ اس کا نام بھی حاتم تھا۔ دونوں میں بہت دوستی ہوگئی۔ دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے اس لیے ہر وقت ساتھ ہی رہتے۔ ایک دن دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ پہاڑ کی طرف سے وہی آواز آئی اور حاتم کا دوست اُس کی طرف دوڑنے لگا۔ حاتم کو اس سے بہت محبت تھی۔ اس نے ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا اور ساتھ ہولیا۔

راستے میں حاتم نے اس سے بار بار پوچھا ”دوست کہاں جاتے ہو؟ رُک جاؤ۔“ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ برابر دوڑتا رہا۔ ایک بار حاتم نے اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر وہ ہاتھ چھڑا کر پھر بھاگنے لگا۔ اب دونوں پہاڑ کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ دوسرا حاتم تیزی سے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ حاتم نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیے۔ اسی طرح دونوں پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے۔ وہاں ایک قلعہ نظر آیا۔ دونوں اُسی طرح ایک دوسرے سے گتھے ہوئے اس قلعے کی کھڑکی میں جا کودے۔

اب جو حاتم اٹھ کر دیکھتا ہے تو نہ قلعہ ہے، نہ پہاڑ۔ بس ایک لمبا چوڑا میدان ہے۔ چاروں طرف سبزہ ہے مگر تھوڑی سی جگہ سبزے سے خالی ہے۔ وہ نوجوان اس خالی جگہ میں پہنچا اور چت گر پڑا۔ گرتے ہی آنکھیں تھرا گئیں۔ اتنے میں زمین پھٹی اور وہ اس میں سما گیا۔ اس کے بعد زمین برابر ہوگئی اور جتنی جگہ میں نوجوان سمایا تھا اُس پر سبزہ نکل آیا۔

اِس واقعے سے حاتم کو صدمہ بھی ہوا اور حیرانی بھی۔ سمجھ میں نہ آیا کیا کرے۔ مگر اللہ کا نام لے کر ایک طرف کو چل دیا۔

آگے چل کر ایک وسیع دریا پر نظر پڑی جو بڑے زور شور سے بہہ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیسے دریا کو پار کرے اس لیے کنارے کنارے چلتا رہا۔ اتنے میں ایک کشتی بہتی ہوئی آئی اور حاتم کے پاس آ کر رک گئی۔

کشتی کو کھینے والا کوئی نہ تھا پھر بھی حاتم اللہ کا نام لے کر اس میں جا بیٹھا۔ کشتی خود بخود چلنے لگی۔ حاتم نے دیکھا کہ ایک کونے میں کچھ لپٹا رکھا ہے۔ کھول کر دیکھا۔ گرما گرم نان اور مچھلی کے کباب تھے۔ پیٹ بھر کر کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اتنے میں زور کی آندھی آئی جو تین دن تک اسی طرح چلتی رہی۔ آندھی رُکی تو حاتم نے دیکھا ناؤ کنارے آ لگی ہے۔ خدا کا شکر ادا کیا جو ہر جگہ اور ہر حال میں آدمی کی خبر گیری کرتا ہے۔ پھر حاتم کشتی سے اُتر آیا۔

حاتم کشتی سے اُتر تو آیا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جائے تو کدھر جائے۔ نہ آدم تھا نہ آدم زاد۔ کوئی راستہ بتانے والا نہ تھا۔ سات دن اسی طرح بھوکا پیاسا راستہ ڈھونڈتا پھرا۔ آخر ایک پہاڑ دکھائی دیا۔ اُس کی طرف چلا اور تین دن میں وہاں پہنچا۔ پھر سوچا اب اوپر چڑھنا چاہیے۔ بارہ دن میں اوپر پہنچا تو ایک میدان نظر آیا جس کی زمین بالکل سرخ تھی۔ جتنے جانور اس میدان میں دکھائی دیے اُن سب کا رنگ بھی سرخ تھا۔ حاتم برابر چلتا رہا۔ کوئی پانچ چھ کوس چلنے کے بعد ایک دریا ملا جس کا پانی خون کی طرح لال تھا۔ اس دریا کے جانور بھی اسی رنگ کے تھے۔ حاتم کنارے کنارے چلتا رہا۔ بھوک لگتی تو شکار کر کے پیٹ بھرتا۔ مہرہ منہ میں رکھ کر پیاس بجھاتا۔

اِسی طرح چلتے چلتے کئی ہفتے گزر گئے۔ حاتم زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ایک دن کیا دیکھتا ہے کہ دریا کی تہہ سے کوئی چیز اُبھر کر اوپر آ رہی ہے۔ رُک کر دیکھنے لگا۔ وہ اوپر آ گئی تو دیکھا کہ ایک کشتی ہے جو اُس کی طرف بڑھی چلی آتی ہے۔ جب وہ قریب آ گئی تو حاتم سوار ہو گیا۔ دسترخوان میں روٹیاں اور کباب لپٹے رکھے تھے۔ انھیں کھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔

کشتی چلتے چلتے بیچ منجدھار میں جا پہنچی۔ دریا کی لہریں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ حاتم نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ سات دن یہی حال رہا۔ کہیں آٹھویں دن جا کر کشتی کنارے لگی۔ حاتم اُتر کر سجدے میں گر پڑا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ سات دن چلنے کے بعد ایک دریا کے کنارے پہنچا۔ اس کا پانی ایسا تھا جیسے پگھلی ہوئی چاندی۔ حاتم پیاسا تھا۔ پانی لینے کے لیے دریا میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ بھی چاندی کا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حاتم بڑا پریشان ہوا کہ کیا کرے۔

اتنے میں پھر ایک کشتی آتی دکھائی دی۔ حاتم ٹھہر گیا۔ کشتی قریب آئی تو یہ اندر جا بیٹھا۔ کشتی فوراً چل پڑی۔ حاتم کو ایک طباق میں گرم گرم حلوہ رکھا ملا۔ جی بھر کے کھایا۔ کئی دن بعد کشتی کنارے لگی۔ بالکل سامنے ایک پہاڑ تھا۔ حاتم اس کی طرف چل پڑا۔ مہینہ بھر میں اس کے پاس پہنچا۔ دیکھا ہر طرف قیمتی ہیرے جواہر بکھرے پڑے ہیں۔ حاتم نے کچھ قیمتی پتھر اٹھائے اور جیب میں رکھ لیے۔ آگے چل کر ان سے بڑے پتھر ملے۔ حاتم نے پچھلے پتھر نکال پھینکے اور نئے جیبوں میں بھر لیے۔

اتنے میں صاف شفاف پانی کا ایک چشمہ دکھائی دیا۔ حاتم نے وہاں بیٹھ کر ہاتھ منھ دھویا۔ اُس کے پانی سے ہاتھ تو ٹھیک ہو گیا لیکن ناخن چاندی کے رہ گئے۔ حاتم وہیں پڑ کر سو رہا۔ صبح کو دریا سے دو جاندار نکلے جن کا سر آدمی کا سا تھا، ناخن شیر کے سے تھے اور پاؤں ہاتھی کے سے تھے۔ حاتم دیکھ کر ڈرا تو انھوں نے کہا ”اپنے دل میں کسی طرح کا خوف نہ

لا۔ ہم بھی تیری طرح اللہ کی مخلوق ہیں اور تیری بھلائی کے لیے تیرے پاس آئے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ حاتم کے پاس بیٹھ گئے اور بولے ''تجھ جیسے نیک آدمی کے دل میں یہ لالچ بُری آئی کہ تونے قیمتی پتھر اٹھا کر جیب میں رکھ لیے۔'' حاتم نے کہا ''اللہ نے ہر چیز اپنی مخلوق کے لیے پیدا کی ہے۔ اگر میں نے کوئی چیز اٹھالی تو کیا برا کیا۔'' انھوں نے کہا ''یہ تو ٹھیک ہے مگر وہ پتھر اللہ نے پریوں کے لیے بنائے ہیں تو ان کا حق مت چھین۔ اگر تجھے اس سفر کی نشانی کے لیے یہ ہیرے جواہرات چاہئیں تو ہم اس سے بڑے اور قیمتی دیتے ہیں۔ وہ پتھر تو جیب سے نکال پھینک۔'' حاتم نے اپنی جیبیں خالی کردیں اور ان کے دیے ہوئے قیمتی پتھر جیبوں میں رکھ لیے۔

حاتم اپنے ملک پہنچنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے ان دونوں سے پتہ پوچھا۔ وہ بولے ''اللہ کی مدد تیرے ساتھ ہے۔ فکر نہ کر سیدھا چلے جا۔ مگر راستے میں لالچ نہ کرنا کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھوئے گا۔'' حاتم نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا اور آگے چل پڑا۔ پیچھے چاندی کا جیسا دریا ملا تھا آگے اسی طرح کا سونے کا دریا ملا۔ حاتم اس سے پار اتر کر اور آگے چلا۔

چلتے چلتے ایک اور دریا ملا۔ اُس کے کنارے اتنے بڑے موتی پڑے تھے جیسے مرغی کا انڈا۔ حاتم بڑا حیران ہوا۔ جی چاہا دو چار موتی اٹھا لے۔ مگر ان اللہ کے بندوں کی نصیحت یاد آئی اِس لیے حاتم نے موتیوں کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ دریا کا پانی پیا تو ایسا تھا جیسے کسی نے دودھ میں شہد گھول دیا ہو۔

حاتم وہاں سے آگے چلا تو دور سے تیز روشنی دکھائی دی۔ پاس جا کر دیکھا تو سونے کا پہاڑ جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ حاتم اُس پر چڑھنے لگا۔ تین دن کے بعد چوٹی پر پہنچا تو ایک وسیع میدان نظر آیا جس کی زمین سنہری تھی۔ بیچوں بیچ ایک خوب صورت محل تھا جس کے در و دیوار سونے کے تھے۔ حاتم اندر داخل ہوا تو وہاں سونے کے بہت سے درخت دکھائی دیے۔

حاتم اِس سوچ میں کھڑا تھا کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔ اتنے میں سامنے سے پریاں آتی دکھائی دیں جو سر سے پاؤں تک

زیوروں میں لدی ہوئی تھیں۔ پریاں حاتم کو دیکھ کر حیران تو ہوئیں لیکن قریب آتی گئیں۔ حاتم نے ان سے پوچھا ''یہ محل کس کا ہے؟'' انھوں نے کہا ''یہ محل پری نوش لب کا ہے۔'' اتنے میں پری نوش لب خود بھی آ پہنچی۔ حاتم اُس کا حسن دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو پری نوش نے پوچھا ''تو کون ہے اور یہاں کیسے پہنچا؟'' حاتم نے حسن بانو اور منیر شامی کا قصہ سنایا۔ پری بہت خوش ہوئی اور حاتم کو چار دن تک مہمان رکھا۔

پانچویں دن حاتم وہاں سے رخصت ہوا۔ کوئی بیس دن چلنے کے بعد ایک سونے کا دریا ملا۔ ایک کشتی حاتم کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی حاتم سوار ہوا وہ چل پڑی۔ ایک طباق گرم گرم حلوے سے بھرا رکھا تھا۔ حاتم نے وہ حلوہ کھایا اور دریا سے پانی لے کر پیا تو کٹورا اور آگے کے دو دانت سونے کے ہو گئے۔ چالیس دن تک یہ کشتی چلتی رہی۔ اُس کے بعد جب کنارے پر جا کر رکی تو حاتم نے اُتر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

حاتم آگے بڑھا تو ایک ایسے میدان میں پہنچا جس کی زمین آگ کی طرح تپ رہی تھی۔ اس میں چلنا دوبھر ہو گیا۔ حاتم نے مہرہ منہ میں رکھ لیا تو بھی تسلی نہ ہوئی۔ حاتم زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ موت سر پر منڈلاتی دکھائی دینے لگی۔ حاتم اللہ کو یاد کر کے گناہوں سے توبہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو گیا۔ اتنے میں وہ دونوں پھر آئے جن کے جسم کا کچھ حصہ آدمی کا تھا اور کچھ جانور کا۔ انھوں نے حاتم کو پانی پلایا تو وہ ہوش میں آیا۔

حاتم نے ان سے پوچھا ''یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں اتنی گرمی کیوں ہے؟'' وہ بولے ''یہاں سے آگ کا دریا قریب ہے۔ تو یہ مہرہ لے اور منہ میں ڈال لے۔ اس کی مدد سے تو اس دریا کو پار کر لے گا۔'' یہ کہہ کر وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حاتم نے مہرہ منہ میں رکھ لیا اور آگے چل پڑا۔

تھوڑی دور چلا تھا کہ آگ کی لپٹیں دکھائی دینے لگیں۔ حاتم سمجھ گیا کہ اب آگ کا دریا قریب ہے۔ پاس پہنچا تو دیکھا کہ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ شعلوں کے بیچ ایک کشتی دکھائی دی۔ ہمت تو نہ ہوتی تھی مگر جی کڑا کیا اور آنکھوں پر پٹی باندھ کے کشتی میں سوار ہو گیا۔

تین دن بعد کشتی کنارے سے لگی۔ اب جو آنکھ کھولی تو نہ کشتی تھی، نہ آگ کا دریا۔ بلکہ ایک ہرا بھرا جنگل تھا۔ زمین کے ذرّے ذرّے سے وطن کی سہانی خوشبو آ رہی تھی۔ حاتم خوش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ ایک آدمی گزرا۔ حاتم نے پوچھا ''یہ کون سا دیس ہے؟'' اُس نے کہا ''یمن۔'' حاتم کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ گھر یاد آیا، ماں باپ یاد آئے اور زرّیں پوش یاد آئی۔ جی چاہا پہلے گھر چلو۔ لیکن پھر فرض یاد آیا کہ منیر شامی کا کام ختم نہیں ہوا تو اُس نے شاہ آباد کا رخ کیا۔

شاہ آباد پہنچ کر حاتم سیدھا حسن بانو کی حویلی میں گیا اور کوہ ندا کا سارا حال سنایا۔ اپنے چاندی کے ناخن، سونے کے دانت اور وہ قیمتی ہیرے جواہر دکھائے جو ساتھ لایا تھا۔ حسن بانو نے حاتم کی بہادری کی بہت تعریف کی۔ وہاں سے حاتم منیر شامی کے پاس سرائے میں آیا۔ وہ یہ سن کر کہ حاتم پھر کامیاب لوٹا ہے بہت خوش ہوا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ تین دن دونوں ہنسی خوشی ایک ساتھ رہے۔ چوتھے دن حاتم پھر حسن بانو کے پاس پہنچا اور اُس سے چھٹا سوال معلوم کیا۔

(جاری)

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، مرتب: نورالحسن نقوی،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
—میر

سب کے ہونٹوں پہ تبسم تھا مرے قتل کے بعد
جانے کیا سوچ کے روتا رہا قاتل تنہا
—بیکل اُتساہی

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا
—اختر انصاری

جستجو جس کی تھی اس کو تو نہ پایا ہم نے
اس بہانے سے مگر دیکھ لی دنیا ہم نے
—شہریار

ابھی میں گھر کے اندر سو رہا تھا
ابھی میں گھر سے بے گھر ہو گیا ہوں
—محمد علوی

کبھی روتا تھا اس کو یاد کر کے
اب اکثر بے سبب رونے لگا ہوں
—انور شعور

کم ہے نہ زیادہ ہے کوئی سب ہیں برابر
ہر قطرے نے رکھا ہے سمندر کو بچا کے
—شجاع خاور

یہاں مضبوط سے مضبوط لوہا ٹوٹ جاتا ہے
کئی جھوٹے اکٹھے ہوں تو سچا ٹوٹ جاتا ہے
—حسیب سوز

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کردے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کردے
—افتخار عارف

اس نئے زمانے کے آدمی ادھورے ہیں
صورتیں تو ملتی ہیں سیرتیں نہیں ملتی ہیں
—منظر بھوپالی

ممکن ہے کہ صدیوں بھی نظر آئے نہ سورج
اس بار اندھیرا میرے اندر سے اٹھا ہے
—آنس معین

جسے دے دی دُعا قیمتی مخمل میں رہتا ہے
مگر وہ خود ہمیشہ اک پھٹے کمبل میں رہتا ہے
—راحت اندوری

یاد آئے گی انھیں کیا کیا ہماری بے حسی
جب ہمارے عہد کے بچے جواں ہو جائیں گے
—والی آسی

جوان بیٹی کو ڈولی نہ دے سکا مفلس
سرہانے قبر کے مہندی کی پتیاں رکھ دیں
—نسیم نکہت

قاضی اکرام الدین

میرا بھارت مہان

علامہ اقبال نے کہا تھا:

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

بے شک ہندوستان ہمارا وطن ہے۔ ہمیں بہت ہی پیارا لگتا ہے۔ ہمارا ملک بہت ساری خوبیوں کا مجموعہ ہے۔اس مہان اور عظیم ملک کو جسے سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا، انگریزوں نے خوب نقصان پہنچایا۔ انھوں نے ہم ہندوستانیوں پر بہت ظلم ڈھائے۔ مگر ہمارے بزرگوں نے، ہمارے لیڈران نے اور خاص طور پر گاندھی جی نے کافی طویل عرصے تک انگریزوں سے لڑکر ہمارے ملک کو آزاد کرایا۔

ہمارا ملک وسعت کے لحاظ سے ساتویں اور آبادی کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ ہمارا لہلہاتا ہوا ملک دیگر ملکوں سے زیادہ ذرخیز ہے یہاں کی زمین گویا سونا اگلتی ہے۔

ہمارے ملک میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور پارسی آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔تمام بھارتی ایک دوسرے کے تہواروں میں شرکت کرتے ہیں۔ آپس میں خوشیاں بانٹتے ہیں۔ تمام لوگوں کے رسم ورواج، زبان اور لباس مختلف ہیں لیکن سب ہندوستانی یہی کہتے ہیں، ..یہ میرا بھارت ہے۔ مجھے اپنے وطن سے پیار ہے، میرا بھارت مہان ہے...

ہم سب ملک کی خوشحالی اور ترقی کے لیے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے بھارت کی عظیم دولت یہاں کی قدیم و خوبصورت عمارتیں ہیں۔اُن میں سب سے حسین عمارت آگرہ کا تاج محل ہے، جسے شہنشاہ شاہ جہاں نے اپنی چہیتی بیوی ممتاز محل کی یاد میں تعمیر کروایا۔ صدیوں پرانی یہ عمارت دنیا کے سات عجوبوں میں شامل ہے۔ اسکے علاوہ بھی بہت ساری تاریخی عمارتیں یہاں موجود ہیں جیسے دہلی کا لال قلعہ، قطب مینار، فتح پور سیکری کا بلند دروازہ، بیجا پور کا گول گنبد، حیدرآباد کا چار مینار، ممبئی کا گیٹ وے آف انڈیا اور دہلی کا انڈیا گیٹ۔ ان تمام خوبیوں کے باعث بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔ میرا بھارت مہان! ■

Qazi Ikramuddin
410, Survey No.: 55, Shafi Nagar, Malegaon
Distt. Nasir - 423203 (Maharashtra)

اچھی سی باتیں

انصاری ندا تحریم ساجد حسین

☆ انسان زندگی بھر تین چیزوں کے لیے محنت کرتا ہے:
(1) میرا مکان اچھا ہو (2) میرا لباس اچھا ہو (3) میرا نام اچھا ہو۔

☆ مرنے کے بعد کچھ اس طرح ہو جاتا ہے:
(1) مکان، قبرستان (2) لباس، کفن (3) نام، مرحوم

☆ انسان کو دنیا میں تین چیزوں کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے:
(1) موت (2) مصیبت (3) طوفان

☆ علم انسان کی ایسی حفاظت کرتا ہے جیسے ماں بچے کی۔

☆ مسلمان دنیا کی ہر چیز پڑھتا ہے لیکن قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا۔

☆ کسی کے اوپر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنی طرف آنے والی تین انگلی کو دیکھو۔

☆ اچھے دوست کی پہچان اس کے کپڑے، زیور سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے اچھے اخلاق سے ہوتی ہے۔ ■

Ansari Nida Tahreem Sajid Husain
Madhvopura Poal Ke Pass Dhule

جنید عبدالقیوم شیخ

الجزری... ایک عظیم میکانیکل انجینئر

بچو، گرمی کے دنوں میں پیاس لگنے تو عام طور پر ہم فریج کھولتے ہیں ٹھنڈے پانی کی بوتل سے پانی پی لیتے ہیں۔ ہم چیزوں کو ٹھنڈی اور محفوظ رکھنے کے لیے بھی فریج کا استعمال کرتے ہیں۔ فریج ایک مفید سائنسی ایجاد ہے۔ فریج میں ایک پمپ ہوتا ہے۔ جو گیس کو دباتا ہے۔ گیس دبنے سے گرم ہوجاتی ہے۔ پھر گیس کو تیزی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ یہ ٹھنڈی گیس فریج میں سے گزاری جاتی ہے اسی ٹھنڈی گیس کے گزرنے سے فریج میں رکھی چیزیں ٹھنڈی ہوجاتی ہے۔ فریج کا اہم حصہ وہ پمپ یعنی کمپریسر ہے۔ جو گیس کو دباتا ہے۔ اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اس پمپ کو ایک مسلمان سائنس داں الجزاری نے ایجاد کیا۔ یعنی فریج جیسی جدید اور موثر ایجاد کا سب سے اہم حصہ کمپریسر، ایک مسلمان سائنس داں کی ایجاد ہے۔

الجزری کی ایجاد صرف کمپریسر تک ہی محدود نہیں ہے۔ انھوں نے کیم شافٹ بھی ایجاد کیا ہے۔ گاڑی کے انجن کا ایک اہم حصہ کیم شافٹ (Camshaft) ہے۔ یہ کیم شافٹ انجن اور گیئر باکس کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے گاڑی کے پہیے چلتے ہیں اور ہاں الجزری نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ اس کتاب میں 50 سے زیادہ خود کار مشین بنانے کے طریقے ناصرف بیان کیے بلکہ انتہائی تفصیل سے تصاویر کے ذریعے دکھائے۔ اگر کوئی انسان اس کتاب کو پڑھے اور ان چیزوں کو بنانے کا شوق رکھتا ہو تو وہ بھی خود بنا سکتا ہے۔ چیزیں بنانے کے طریقوں پر مبنی کتاب لکھنے کا فن بھی الجزاری نے ہی ایجاد کیا۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ روبوٹ کے موجد بھی الجزری ہی ہیں۔ انہوں نے کینڈل کلاک، ہاتھی گھڑی، خودکار نوکروں کے ساتھ مور فاؤنٹین وغیرہ کی ایجاد کی۔ ہاتھی گھڑی نہ صرف وقت بتاتی ہے بلکہ وہ ایک بنیادی روبوٹک مشین اور ایک شاندار مصوری کا نمونہ ہے۔

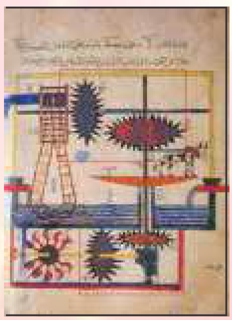

الجزری نے مشینوں کے جملہ پرزے اور ان کے بنانے کے لیے خاص تکنیک استعمال کی۔ انھوں نے انجن میں مخروطی والوز (Conical Valves) استعمال کیے۔ الجزری نے انجینئرنگ پر اپنی کتاب میں پانی سے چلنے والی پسٹن پمپ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں دو سلنڈر اور ایک سکشن پمپ تھا۔ ایک اور مشین میں انھوں نے کرینک استعمال کیے جو دُنیا میں کرینک کے استعمال کی پہلی مثال تھی۔ انھوں نے واٹر رایزنگ مشین یعنی پانی کو خاص سطح تک لے جانے کے لیے خود کار مشینیں بنائی۔ اس لیے آج دنیا انھیں ایک عظیم میکانیکل انجینئر کی حیثیت سے جانتی ہے۔■

Junaid Abdul Qayyum
Solapur, (Maharashtra)

میرا مقصد

میں پڑھ لکھ کر ایک کامیاب سائنٹسٹ بنوں گا

میں ساویز ابن محمد آصف اقبال بیڑ شہر کے نامور اسکولوں میں سے ایک، سر سیّد احمد خان اسکول میں جماعت پنجم میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں جس طرح ہر انسان کی ایک دُنیاوی خواہش ہوتی ہے کہ وہ پڑھ لکھ کر کچھ بنے اسی طرح میری بھی ایک خواہش ہے کہ میں پڑھ لکھ کر ایک کامیاب سائنٹسٹ بن کر دکھاؤں۔ مجھے بچپن سے ہی مختلف تجربات کرنے کی عادت سی ہے۔ چند دنوں پہلے میرے ذہن میں ایک تجربہ آیا۔ میں نے اپنے گھر میں موجود ادرک، لونگ، کلونجی اِن تینوں کے تیل کو ملا کر اس میں تھوڑی سی مقدار زندہ طلسمات کی ملا کر دو دِنوں کے لیے دُھوپ میں رکھ دیا اس کے بعد اس مِکس تیل کو ایک پلاسٹک کی بوتل میں اُنڈیلا تو کیا دیکھتے ہیں وہ پلاسٹک کی بوتل آناً فاناً پگھل کر چورا ہوگئی۔ اسی طرح میں خالی اوقات میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں جس سے مجھے کچھ نیا سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ میں بڑا ہوکر سائنٹسٹ بنوں اور آنے والی نئی نئی بیماریوں کے تدارک کے لیے کچھ نئی گولیاں، دوائیں تیار کرکے انسانیت کی خدمت کروں۔

محمد ساویز ابن محمد آصف اقبال

سر سیّد احمد خان اردو پرائمری اسکول، زم زم کالونی، بیڑ

بڑا ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں

میں سیّد میران علی ذوالفقار علی بیڑ کے ایک محلّہ ہیرالال چوک میں رہتا ہوں میں ایک اچھا انسان بننا چاہتا ہوں ویسے تو مجھے بہت سی چیزیں کھانے پسند ہے ساتھ میں کمپیوٹر اور موبائیل

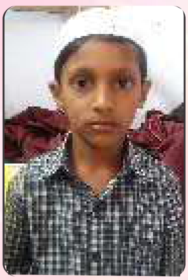

کا بھی کافی شوق ہے نئی نئی چیزیں سیکھنے کا مجھے بڑا شوق ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میں بڑا ہوکر ایک اچھا اور نیک دل ڈاکٹر بنوں۔ اللہ سے دعا گوں ہوں کہ وہ میری اس خواہش کو پوری فرمائیں۔ اگر میں ڈاکٹر بن گیا تو ایسے گاؤں میں اپنے دواخانہ کی بنیاد ڈالوں گا جہاں دور دور تک ڈاکٹر کی خدمات حاصل نہ ہوں۔ میں غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گا۔

سیّد میران علی ابن سیّد ذوالفقار علی

چہارم، سر سیّد احمد خان اُردو پرائمری اسکول، زم زم کالونی، بیڑ

بڑا ہوکر کمپیوٹر انجینئر بننا چاہتا ہوں

میرا نام سعد خان ہے میرے والد کا نام مبشیر خان ہے میں گیارہ سال کا طالب علم ہوں ابھی میں پنجم جماعت میں زیر تعلیم ہوں۔ میں بڑا ہوکر کمپیوٹر انجنیئر بننا چاہتا ہوں یہ میری خواہش بھی ہے اور مقصد بھی ہے میں نے اپنے کمپیوٹر استاد عبدالعیم سر کی زیر سرپرستی میں پہلی جماعت سے ہی کمپیوٹر چلانا

سیکھ لیا ہے۔ اسکول کی طرح میں اپنے مکان پر بھی روزانہ پڑھائی ہونے کے بعد ایک گھنٹہ کمپیوٹر پریکٹیکل کو بھی دیا کرتا ہوں کمپیوٹر ٹائپنگ، ڈرائینگ اور کچھ گیمس بھی کھیل لیا کرتا ہوں جس کی وجہ سے مجھے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں زیادہ پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ مجھے اپنے مقصد تک پہنچنے میں اور بھی بہت کچھ کمپیوٹر کی معلومات حاصل کرنا ہے جس کے لیے میں اپنے کمپیوٹر کے استاد سے اور دیگر ذرائع سے معلومات میں اضافہ کرنے میں لگا ہوا ہوں۔

سعد خان ابن مبشیر خان

پنجم، سرسیّد احمد خان اُردو پرائمری اسکول، زم زم کالونی، بیڑ

میں بڑی ہوکر ضلع عہدے دار بنوں گی

اکثر اخبارات اور لوگوں کا جلوس شکایات اور غُصّہ بھرا انداز اعلان کرتا ہے کہ ہمارے اسکول جانے کا راستہ، غلاظت اور گڑھوں سے پُر ہے، کسی کا دھرنا ہے میری زمین تالاب میں چلی گئی، کسی تعلیم یافتہ کی آواز ہے مجھے

نوکری دلادو، ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ضلع عہدے دار بنوں تاکہ ایسے مسائل کو ختم کرسکوں۔ میرا مشن سماج میں تعلیم کو عام کرنا ہوگا۔ خصوصاً لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانا۔ میں عوام کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ غریب کے ساتھ ظلم اور استحصال نہیں ہونے دوں گی اور ہمارا اوّلین فریضہ ہوگا کہ گندگی اور جرائم کو ختم کیا جاسکے۔

سیّدہ اِقرا صوبیہ سیّد عرفان عثمان

درجہ: پنجم

میں ایئرونا ٹیکل انجینئر بنوں گا

میں مومن احزم عبدالواجد شہر بیڑ کے مشرقی علاقے مومن پورہ کے اشوک نگر محلّہ میں رہتا ہوں اور سر سیّد اسکول کی جماعت پنجم میں زیرِ تعلیم ہوں۔ میں بڑا ہوکر ایئرونا ٹیکل انجینئر بننا چاہتا ہوں۔ میرے چھوٹے بھائی نے مجھ سے ایک دفعہ کہا تھا کہ میں بڑا ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں تب ہی میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے بھائی کے لیے بڑا ہوکر ہوائی جہاز بنا دوں۔ میرا بھائی اس ہوائی جہاز کو چلائے گا اور پوری دُنیا کی سیر کرے گا۔ ایک دفعہ میں نے کاغذ کا ہوائی جہاز بھی بنایا تھا جو بڑا خوب صورت اور کافی دلکش بنا تھا۔ میں ایئرونا ٹیکل انجینئر بننے کے لیے ابھی سے جدوجہد اور محنت میں لگا ہوا ہوتا کہ میں مستقبل میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں۔

مومن احزم ابن مومن عبدالواجد

درجہ پنجم، سر سیّد احمد خان اُردو پرائمری اسکول، بیڑ

اقوالِ زرّیں

(1) علمی گفتگو سے سوچ کا دائرہ بڑھتا ہے۔

(2) اللہ اس کو دوست رکھتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔

(3) مصیبت کو برداشت کرنے کے لیے صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔

(4) نعمت کا ملنا آزمائش ہے کہ تم شکر کرتے ہو یا ناشکری۔

(5) کبھی تم دوسروں کے لیے دل سے دعا مانگ کر دیکھو تمھیں اپنے لیے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

(6) وہ قوم آگے بڑھتی ہے جو سورج کو جگاتی ہے۔ وہ قوم پستی میں چلی جاتی ہے جنھیں سورج جگاتا ہے۔

(7) علم کی مثال ایک دریا کی سی ہے۔ اس میں سے کتنا بھی خرچ کروگے کم نہ ہوگا۔ ■

Nida Parveen Mohd Anees Baghwan
Lodhaya Jin, Pachora
(Distt.: Jalgaon) 424201 (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

ادبی لطائف

ہنسی کے غبارے

ایک محفل میں کچھ شاعر بیخود دہلوی اور سائل دہلوی کا ذکر کررہے تھے۔ ایک شاعر نے شعر سنائے جس میں دونوں کے تخلص نظم تھے۔ وہاں حیدر دہلوی بھی موجود تھے۔ شعر سن کر کہنے لگے:

اس شعر میں سائل اور بیخود تخلص صرف نام معلوم ہوتے ہیں۔ کمال تو یہ تھا کہ شعر میں تخلص بھی نظم ہوا اور محض نام معلوم نہ ہو۔ کسی نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ حیدر نے وہیں برجستہ یہ شعر کہہ کر سب کو حیران کر دیا:

پڑا ہوں میکدے کے در پر اس انداز سے حیدر
کوئی سمجھا کہ بے خود ہے کوئی سمجھا کہ سائل ہے

ایک بار کوئی صاحب آئے اور فیض کو اپنا کلام سنانے لگے۔ انھوں نے اپنی ایک نظم سنائی جس میں ہر تیسرا چوتھا مصرع فیض صاحب ہی کا تھا۔ فیض صاحب انھیں مسلسل داد دیتے رہے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے کہا فیض صاحب یہ کیا قصہ ہے؟ آدھا کلام تو آپ کا تھا اور آپ واہ واہ کیے جا رہے تھے۔

مسکرا کر کہنے لگے بھئی کیا کرتا، پہلی بار تو اپنے شعروں پر داد دینے کا موقع ہاتھ آیا تھا۔

غیر معمولی اور مشہور عالم رقاصہ اساڈورا ڈنکن نے جارج برناڈ شا کے سامنے شادی کی تجویز رکھی اور کہا ”جو ہماری اولاد ہوگی، وہ میرے حسن اور آپ کی ذہانت اور ادبی صلاحیتوں سے مالا مال ہوگی۔“

اس پر برنارڈ شا نے کہا ”آپ کی اس نوازش سے میں فخر محسوس کرتا ہوں لیکن اگر اسے میری شکل وصورت ملی اور آپ کا دماغ تو کیا قیامت ہوجائے گی۔

پطرس بخاری صاحب کے کسی عزیز کا نکاح تھا اور نکاح خواں کوئی نہیں مل رہا تھا، تلاشِ بسیار کے بعد ایک مولانا صاحب ڈھونڈ کے لائے گئے جو بہت دبلے پتلے تھے۔

پطرس انہیں دیکھ کر مسکرائے اور بولے: ”نکاح کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نکاح خواں کی اور چھوہارے کی۔ ماشاءاللہ مولانا صاحب میں دونوں خوبیاں موجود ہیں۔

کسی مشاعرے میں حفیظ جالندھری اپنی غزل سناتے سناتے چراغ حسن حسرت سے مخاطب ہوکر بولے: ”حسرت صاحب! ملاحظہ فرمائیے، مصرع عرض کیا ہے۔

حسرت صاحب حفیظ صاحب کا مصرعہ سننے سے پہلے ہی نہایت بے چارگی سے کہنے لگے: ”فرمائیے، حضرت۔ شوق سے فرمائیے۔ اپنی تو عمر ہی غزلوں کے مصرعے اٹھانے اور مردوں کو کندھا دینے میں کٹ گئی ہے۔“

سارہ ایمان

مغرور بطخ

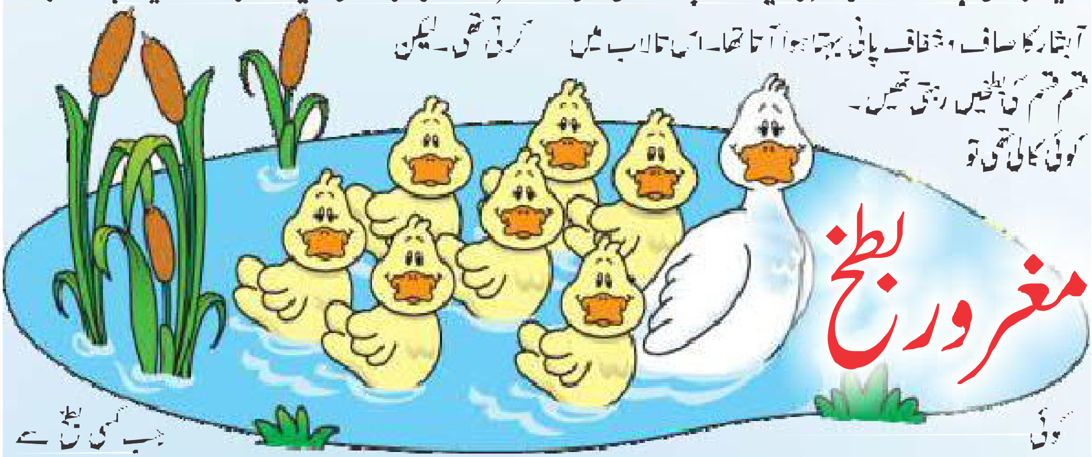

ایک دفعہ کی بات ہے ایک بہت خوب صورت جنگل تھا۔ اس جنگل میں سب جانور مل جل کر رہتے تھے۔ ہر جانور وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کرتا تھا۔

جنگل میں ایک جگہ ایک خوب صورت اور بڑا آبشار بہتا تھا۔ اس آبشار کا پانی جنگل میں موجود ندیوں، تالابوں اور دریاؤں میں جا ملتا تھا۔ اسی طرح ایک تالاب تھا جس میں آبشار کا صاف و شفاف پانی بہتا ہوا آتا تھا۔ اس تالاب میں قسم قسم کی بطخیں رہتی تھیں۔ کوئی کالی تھی تو کوئی ملگجے رنگ کی اور کوئی بالکل سفید اجلی اجلی۔

صبح ہوتے ہی تمام بطخیں تالاب میں نہانے اور اپنے بچوں کو نہلانے لاتی تھیں اور تالاب میں جو چھوٹے چھوٹے کیڑے اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ہوتی تھیں بطخیں انھیں اپنے بچوں کو کھلاتی تھیں۔ اس طرح بطخیں بہت اچھی زندگی گزار رہی تھیں۔

لیکن اس تالاب میں ایک بطخ ایسی بھی رہتی تھی جو بہت سفید اور خوب صورت تھی۔ اس کے پر چمکیلے تھے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور گہری کالی رنگ کی تھیں۔ خوب صورتی میں وہ تمام بطخوں سے آگے تھی لیکن کوئی بطخ اس سے جلتی نہیں تھی۔ سب اسے عام بطخوں کی طرح ہی سمجھتی تھیں۔ ہر بطخ خوب صورت بطخ سے جب بھی ملتی اس کی خوب صورتی کی تعریف کرتی تھی جس کی وجہ سے خوب صورت بطخ بہت مغرور ہوتی گئی۔ وہ ہمیشہ اپنی گردن اکڑ اکڑ تیرنے لگی تھی۔ کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرتی تھی۔

اسی تالاب میں ایک بالکل کالی بطخ بھی رہتی تھی۔ کالی بطخ بہت سیدھی سادی اور بھولی بھالی تھی۔ وہ اپنے بچوں میں بہت مصروف رہتی تھی۔ اس لیے وہ کسی سے زیادہ بات بھی نہ کرتی تھی۔ لیکن جب کسی بطخ سے بات کرنے کا موقع پڑتا تو وہ بہت اچھے سے ملتی تھی۔ وہ خوب صورت بطخ سے بھی بہت اچھے سے ملتی تھی لیکن اس نے کبھی خوب صورت بطخ کی تعریف نہیں کی تھی۔

خوب صورت بطخ کو اس بات پر بڑا غصہ آتا تھا کہ سیاہ بطخ نے آج تک اس کی کبھی تعریف نہیں کی ہے۔ اسی وجہ سے وہ سیاہ بطخ کو بار بار اس بات کا احساس دلاتے ہوئے کہتی تھی کہ ”تم تو بالکل کالی اور بدرنگی بطخ ہو۔ مجھے دیکھو، میرے اجلے اجلے چمکیلے پروں کو دیکھو کیا تمھیں اب بھی لگتا ہے کہ میں خوب صورت نہیں ہوں۔“

لیکن سیاہ بطخ اس کی بات کا کبھی برا نہیں مانتی تھی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی کبھی ناشکری کرتی تھی۔ خوب صورت بطخ کو اس بات کا بھی شدید غصہ آتا تھا۔ اسی لیے وہ اس کے سامنے

اٹھلاتی اور اتراتی پھرتی تھی۔

ایک دفعہ تالاب کے کنارے چند شرارتی بچے پکنک منانے کے لیے آئے۔ اتفاق سے اس دن تالاب میں صرف سیاہ بطخ اور خوب صورت بطخ ہی تیر رہی تھیں۔ شرارتی بچوں نے تالاب کے کنارے بہت دیر تک ہلا گلا کیا۔ پھر تھک کر بیٹھ گئے۔

انہی میں سے ایک بچے کو شرارت سوجھی اس نے سب بچوں سے کہا ''وہ دیکھو پانی میں دو بطخیں تیر رہی ہیں۔ کالی بطخ شاید کوئی نہ خریدے لیکن سفید بطخ بہت اچھے دام میں بکے گی۔ ہم اس بطخ کو بازار لے جا کر بیچ دیں گے'' تمام بچوں نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

اور پھر سب بچے تالاب میں کود گئے اور خوب صورت بطخ کو گھیر کر اسے پکڑ لیا اور لے جانے لگے۔ بطخ نے بہت چلایا ''بچاؤ بچاؤ، چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو'' لیکن کسی نے بھی اس کی ایک نہ سنی۔

تب خوب صورت بطخ کو خیال آیا کہ آج وہ اپنی اسی خوب صورتی کی وجہ سے پکڑی گئی جس پر اسے سب سے زیادہ ناز تھا۔ اسی خوب صورتی نے اس کی آزادی چھین لی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ خوب صورتی اسے ایک نعمت کے طور پر ملی تھی۔ اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا نا کہ مغرور بن کر دوسروں کا دل دکھانا چاہیے تھا۔ اب وہ افسوس کے سوا کچھ نہ کر سکتی تھی۔

اسی لیے ہمیں چاہیے کہ جو نعمت ہمیں ملی ہے اس پر ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ نہ کہ غرور کرنا چاہیے کیونکہ مغرور کا سر ہمیشہ نیچے ہوتا ہے۔

■

Sara Iman Ataullah Khan
Nehru Nagar, 1600 Plot, Akot Fail
Akola, Maharashtra

جوابات

■ حقانی القاسمی

بچوں کا کتب خانہ

پیارے بچو!

جسمانی صحت کے لیے جس طرح کھیل کود اور ورزش ضروری ہے اسی طرح دماغی صحت کے لیے کتابوں سے رشتہ جوڑنا لازمی ہے۔ یہ کتابیں آپ کے ذہن کو نئی زمینیں دیتی ہیں اور دماغ کی بہت سی کھڑکیاں کھول دیتی ہیں۔ جس طرح آپ چڑیا گھر کی سیر کرتے ہیں اسی طرح اگر آپ کتابی دنیا کی سیر کریں تو آپ کو بہت سی وہ چیزیں معلوم ہو جائیں گی جن سے آپ پہلے واقف نہیں تھے۔ آپ کو پتہ ہوگا کہ قومی اردو کونسل نے ہر موضوع پر بچوں کے لیے کتابیں شائع کی ہیں۔ آپ اپنے ذوق کے مطابق ان کتابوں کا انتخاب کرسکتے ہیں۔ آیئے ایک ایسی کتاب کی سیر کرتے ہیں جس میں آپ کی پسند کی بہت سی چیزیں موجود ہیں۔ آپ جب چڑیا گھر جاتے ہیں تو بہت سے جانوروں کو دیکھتے ہیں ان جانوروں کے بارے میں آپ میں سے بہتوں کو معلوم ہوتا ہے اور بہتوں کو جاننے کی خواہش ہوتی ہے۔ 'حیوانات کی دلچسپ دنیا' ایک ایسی ہی کتاب ہے جس میں آپ اپنی پسند کے جانوروں کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں۔ جیسے ڈائنا سور، مکڑی، ہرن، بلی، مینڈک، ہائیڈرا، چھپکلیاں، اژدہا، چمکنے والا جگنو، گینڈا، ٹڈیاں، شیر، چیتا اور دیمک——

اس کتاب کے لکھنے والے مشہور سائنس داں محمد خلیل ہیں جو پہلے 'سائنس کی دنیا' رسالے کے ایڈیٹر تھے۔

پیارے بچو! حیوانات کی دلچسپ دنیا بڑی اچھی کتاب ہے۔ اس میں آپ کو مختلف جانوروں کے بارے میں بہت سی معلومات ملیں گی۔ یہ تو آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ افریقہ کے بعد سب سے زیادہ جانور ہندوستان میں ہی پائے جاتے ہیں۔ لیکن اب آہستہ آہستہ ان جانوروں کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ ماحولیات کے اعتبار سے یہ ہمارے لیے بہت خطرے کی بات ہے کیونکہ جب جانور نہیں رہیں گے تو انسان کا زندہ رہنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

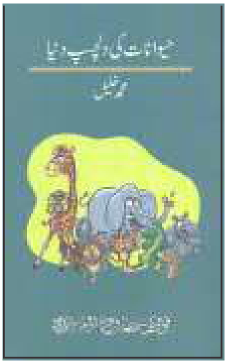

بچو! آپ نے ڈائنا سور کے بارے میں سنا ہوگا یہ قدیم دنیا کا سب سے بڑا جانور ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ یونانی زبان کے دو لفظوں 'ڈینوس' اور 'سوئس' سے مل کر بنا ہے جس کے معنی ہیں خوف ناک چھپکلی۔ ڈائنا سور خشکی اور تری دونوں مقامات پر اپنی زندگی گزارتے تھے۔

ایک طرف تو یہ گوشت خور تھے تو دوسری طرف پیڑ پودوں کو کھا کر اپنی زندگی گزارتے تھے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اب ڈائنا سور ختم ہوگئے ہیں۔ لیکن مصنف نے بتایا ہے کہ سائنس دانوں کا خیال یہ ہے کہ ڈائنا سور ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ امریکی فلم جوراسک پارک کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا یہ فلم دراصل ڈائنا سور سے متعلق ہے۔

بچو! مکڑی کے بارے میں آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ یہ ایک محنتی اور ہنرمند کیڑا ہے۔ اس کے بارے میں مصنف نے بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ ''مکڑا چھوٹا ہوتا ہے اور مکڑی کے جسم کی بناوٹ بڑی ہوتی ہے۔ مکڑی کو خوش کرنے کے لیے کئی بار مکڑے کو گھنٹوں ناچنا پڑتا ہے۔ اکثر ملنے کے بعد مکڑی مکڑے کو کھا جاتی ہے۔ یوں بھی مکڑے کی زندگی مکڑی سے کم ہوتی ہے۔ کچھ مکڑیاں ہزاروں کی تعداد میں انڈے دیتی ہیں لیکن انڈے سے باہر آتے ہی بچے اپنے بھائی بہنوں کو ہی کھا جاتے ہیں۔ مکڑی کے بارے میں اور بھی بہت ساری معلومات اس کتاب میں ہے مثلاً مکڑی کیسے جالا بنتی ہے۔''

ہرن کے بارے میں آپ نے ضرور سنا ہوگا اس کے خاندان میں چیتل سب سے خوب صورت شمار ہوتا ہے۔ چیتل کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ''بندروں کے ساتھ ان کی بڑی اچھی دوستی ہے۔ ہنگل، بارہ سنگھا، کستوری ہرن، سانبھر یہ سب ہرن کی قسمیں ہیں۔ اس کتاب

میں ہرن کے بارے میں آپ کو بڑی دلچسپ معلومات ملیں گی۔

بچو! بلی کے بارے میں تو آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ یہ گھریلو جانور ہے۔ لیکن یہ آپ کو شاید ہی معلوم ہو کہ دنیا میں بلی کی پچیس سے بھی زیادہ قسمیں ہیں۔ محمد خلیل صاحب نے بلی کی ساری خصوصیات لکھی ہیں جنھیں آپ پڑھیں گے تو بہت مزہ آئے گا۔ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ صاف ستھرا جانور ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے جسم سے بدبو کبھی نہیں آتی۔ یہ جہاں ہوتی ہے وہاں چوہے، کیڑے مکوڑے، چھپکلی، جھینگر وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں اور یہ بھی انھوں نے لکھا ہے کہ بلی میں سونگھنے کی بے پناہ قوت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلی اپنے گھر سے کتنی ہی دور نکل جائے لیکن بآسانی واپس آجاتی ہے۔ اندھیرے میں یہ خوب دیکھ لیتی ہے۔

بچو! مینڈک کے بارے میں آپ نے سنا ہی نہیں بلکہ دیکھا بھی ہوگا۔ اس کتاب میں مینڈک کے بارے میں بہت ساری معلومات ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ: مینڈک کسی بھی قسم کا ہو یہ تیرتے خوب ہیں اور اپنی زندگی کا خاصا وقت پانی ہی میں گزارتے ہیں۔ لیکن کچھ ان کی ایسی قسمیں بھی ہیں جو پانی سے دور رہتی ہیں۔ کچھ ایسے مینڈک بھی ہیں جو آرام کے ساتھ درخت پر چڑھ سکتے ہیں۔

بچو! اپنے گھر کی دیواروں پر آپ نے بہت سی چھپکلیاں دیکھی ہوں گی۔ مگر آپ کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ چھپکلیاں دنیا کے ہر ملک میں پائی جاتی ہیں اور یہ گرمیوں کے موسم میں خوب دکھائی پڑتی ہیں۔ انھیں آبادی والے علاقے پسند ہیں۔ ان کا گھر نہیں ہوتا اس لیے یہ آپ کے گھروں پر قبضہ کر لیتی ہیں۔ ساری دنیا میں ان کی تقریباً پچیس ہزار قسمیں دریافت ہو چکی ہیں۔ چھپکلیوں کے بارے میں انھوں نے بڑی اہم معلومات دی ہیں کہ عام طور پر چھپکلیاں تیراک نہیں ہوتیں لیکن امریکہ میں ایک ایسی چھپکلی پائی جاتی ہے جو اچھی تیراک ہے اور اس کی دم چاقو کی طرح لمبی ہوتی ہے۔ انھوں نے داڑھی والی چھپکلی کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی معلومات دی ہے کہ چھپکلیاں کئی دنوں تک بغیر کچھ کھائے بھی زندہ رہ سکتی ہیں۔

اژدہا کے بارے میں بھی انھوں نے بڑی عجیب عجیب باتیں بتائی ہیں۔ آپ پڑھیں گے تو آپ کو حیرت ہوگی کہ اژدہا ایک ایسا رینگنے والا جانور ہے جو ایک مرتبہ سو جانے پر کئی دنوں تک جاگنے کی کوشش نہیں کرتا جب تک کہ اسے بھوک پریشان نہیں کرتی یا پھر اسے کسی حملے کا خطرہ نہیں ہوتا۔

پیارے بچو! آپ کو جگنوؤں سے بہت پیار ہوتا ہے۔ جب رات کو جگنو چمکتے ہیں تو آپ انھیں پکڑنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ محمد خلیل صاحب نے اس کتاب میں جگنو کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات دی ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ پرانے زمانے میں لوگ جگنوؤں کو پکڑ کر شیشے کی چمنیوں میں بند کر دیتے تھے اور ان سے روشنی کا کام لیتے تھے۔ آپ کو پتہ ہے کہ جگنو کی سب سے بڑی تعجب خیز خصوصیت کیا ہے۔ وہ ہے اس کا رک رک کر چمکنا۔ انھوں نے بتایا ہے کہ جگنو کا چمکنا ایک کیمیائی طریقہ ہے جو جگنو کے سانس لینے سے جڑا ہوا ہے۔ جب جگنو اندر کی طرف سانس کھینچتا ہے تو روشنی والے عضو چمکنے لگتے ہیں لیکن جب جگنو سانس کو باہر نکالتا ہے تو چمکنے والے عضو بجھ جاتے ہیں اور انھوں نے یہ بھی بڑی عجیب بات بتائی ہے کہ جگنو کی روشنی ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اس کی چمکنے والی روشنی میں کسی طرح کی گرمی نہیں ہوتی۔ یہ ابھی تک راز ہے۔ سائنس داں ابھی تک اس راز کو سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔

بچو! اس کے علاوہ اس کتاب میں گینڈا، ٹڈیاں، شیر اور چیتا اور دیمک کے بارے میں بھی بہت ساری جانکاریاں ہیں۔ سب کے بارے میں اب لکھنا تو ممکن نہیں ہے۔ آپ کتاب پڑھ کر ہی ساری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ بس دیمک کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ سورج کی روشنی اس کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اس کی زندگی کے لیے ہوا میں نمی کا رہنا بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر یہ زندہ نہیں رہ سکتے۔

پیارے بچو! یہ اس کتاب کا چھوٹا سا تعارف تھا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کو یہ ضرور پسند آئے گا اور آپ یہ کتاب ضرور خرید کر پڑھیں گے۔ آئندہ پھر ایک نئی کتاب کے ساتھ آپ کی محفل میں حاضر ہوں گے تب تک کے لیے خدا حافظ! ■

★★ آپ یہ کتاب قومی اردو کونسل سے خرید سکتے ہیں۔ اس کی قیمت صرف 24 روپے ہے۔

زفر حسن قاضی، درجہ: ہشتم، اقبال نگر، سرنکوٹ، پونچھ، جموں کشمیر

انصاری زید زبیر، درجہ: ہفتم، آئیڈیل انگلش میڈیم اسکول، شہادہ، مہاراشٹر

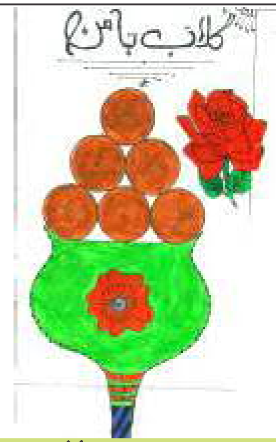

الفیہ بی محمد فاروق، درجہ: ششم
نگر پالیکا اردو اسکول نمبر 24، بھساول، مہاراشٹر

محیط شیخ وسیم، درجہ: ہفتم، ملت ہائی اسکول، مہرن، جلگاؤں، مہاراشٹر

محمد سفیان مجیب الرحمن درجہ: پنجم، ملت ہائی اسکول، مہران، جلگاؤں، مہاراشٹر

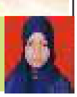

ثانیہ بی عارف، درجہ: ہفتم (الف)
ملت ہائی اسکول، مہرن، جلگاؤں، مہاراشٹر

منزہ محفوظ حمید الرحمن رحمانی، درجہ: ہشتم، کے ایچ گرلس ہائی اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

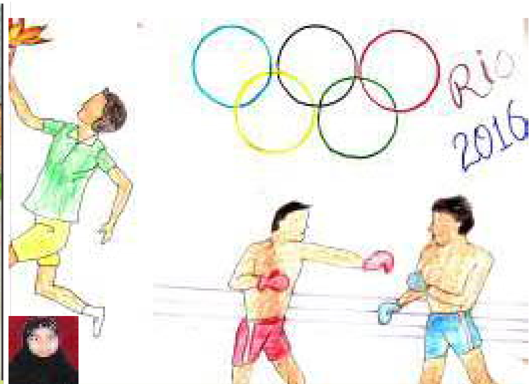

آفرین شیخ تاج الدین، درجہ: ہشتم، مت ہائی اسکول مہرن، جلگاؤں، مہاراشٹر

شیخ عمران علی یار، درجہ: چہارم، ضلع پریشد اردو اسکول، نیائے ڈونگری، مہاراشٹر

صبیحہ فردوس شیخ رفیق، امداپور، زیڈ پی یو جی، امفاپور، بلدانہ، مہاراشٹر

ادیبہ جہاں عبدالاحد، امداپور، چھکھلی، بلدانہ، مہاراشٹر

ہانیہ خوشنود، سینئر کے جی، پٹنہ، بہار

Facebook اردو فیس بک

میں حفصہ خاتون بنت محمد شاہد چشمہ فیض نسواں ادری، درجہ سات میں زیرِ تعلیم ہوں... بچوں کی دنیا کی میں ہر ماہ منتظر رہتی ہوں اور حاصل کر کے اسے لگن کے ساتھ پڑھتی ہوں۔

حفصہ خاتون، محلّہ: فیض نگر، پوسٹ ادری، ضلع مئو

میں تہمینہ خاتون درجہ ہفتم کی طالبہ ہوں۔ ہر ماہ میرے نانا پابندی سے مجھے 'بچوں کی دنیا' لاکر دیتے ہیں۔ جولائی 2016 کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے جو بہت خوب صورت ہے۔ میں اسے دل لگا کر پڑھتی ہوں۔ قسط وار ناول، قصہ حاتم طائی، مجھے بے حد پسند ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسی طرح سلسلہ وار ناول جاری رہے۔ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات کی تصاویر بہت عمدہ ہیں۔ کہانی و برائی کا انجام، کوئل کیوں گاتی ہے پسند آیا۔ بچوں کی نظم علم، صبح کی عہد، دیش کا سر اونچا کریں گے اور 'گڑیا' قابلِ تعریف ہے۔

تہمینہ خاتون، جج عبدالباری گرلس ہائی اسکول، مٹیا برج، کولکاتا

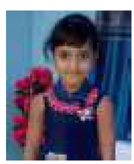

میرا نام زارا ہے۔ اول جماعت کی طالبہ ہوں۔ میرے گھر کا ماحول اردو ہے۔ میرے دادو مجھے اردو پڑھنا لکھنا سکھاتے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' بہت خوب صورت ہے۔ میں اسے بہت پسند کرتی ہوں۔

زارا، T-C-9، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی

میں اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں رہتا ہوں۔ میرے اسکول کا نام اقرا اردو پرائمری اسکول ہے۔ یہاں اچھی پڑھائی ہوتی ہے۔ میں پنجم جماعت کا طالب علم ہوں۔ مجھے اردو زبان بہت پسند ہے اور ہر مہینے بچوں کی دنیا پڑھتا ہوں۔ میں اپنے بھائی کو اردو زبان کی مشق کرواتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اردو زبان پڑھیں اور لکھیں۔ 'بچوں کی دنیا' میں بہت اچھی کہانیاں ہوتی ہیں اور ہنسی کے غبارے، آپ کا دماغ کتنا تیز ہے وغیرہ مجھے بہت پسند ہیں۔ ان سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

صوفی فیض احمد، جماعت پنجم، اقرا اردو پرائمری اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

مجھے ناجیہ انجم کہتے ہیں۔ آل مائٹی مانٹسری انٹر کالج لکھنؤ کے درجہ آٹھ کی طالبہ ہوں۔ انگلش میڈیم اسکول میں پڑھنے کی وجہ سے اردو سے نابلد تھی۔ اللہ ہمارے دادا کی عمر دراز فرمائے۔ ان کی بار بار کی ہدایت نے مجھے اردو پڑھنے پر مجبور کیا۔ میرے لیے انھوں نے دو رسالے جاری کرا دیے۔ ایک 'امنگ' اور دوسرا 'بچوں کی دنیا' میں دونوں رسالے بڑے شوق سے پڑھتی اور بھائی بہنوں کو سناتی ہوں۔ جولائی 2016 کا تازہ رسالہ میرے سامنے ہے اور ہر طرح سے قابل تعریف ہے۔ تمام مضامین، نظمیں، کہانیاں اور خاص طور سے ہنسی کے غبارے بڑے پرکشش ہوتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

ناجیہ انجم، درجہ ہشتم، آل مائٹی مانٹسری انٹر کالج، برانچ، کھدرا، لکھنؤ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

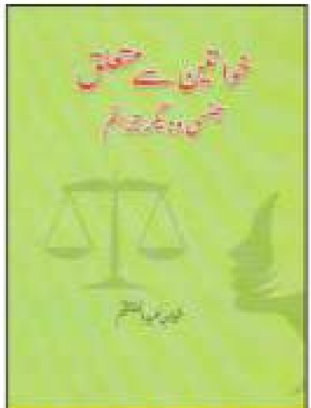

صفحات: 101، قیمت: 57 روپے

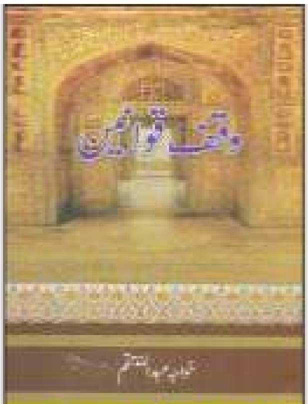

صفحات: 213، قیمت: 110 روپے

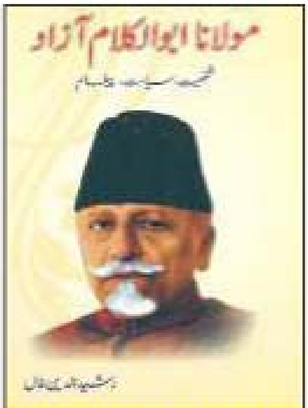

صفحات: 336، قیمت: 150 روپے

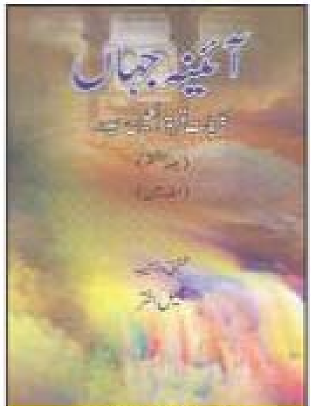

صفحات: 311، قیمت: 145 روپے

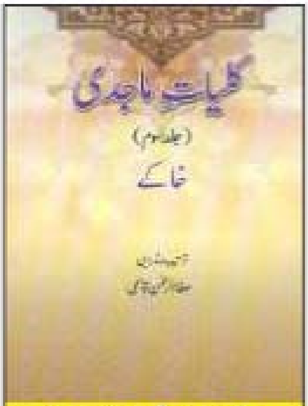

صفحات: 253، قیمت: 130 روپے

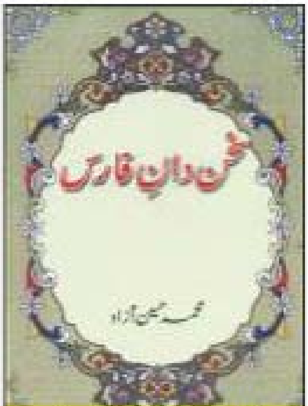

صفحات: 354، قیمت: 160 روپے

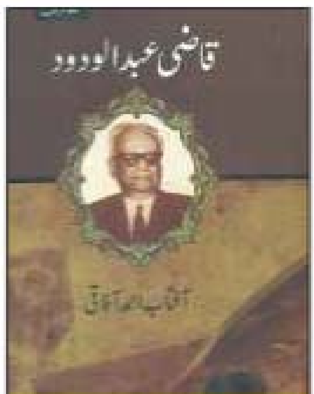

صفحات: 130، قیمت: 80 روپے

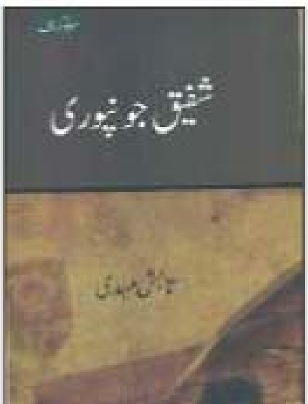

صفحات: 120، قیمت: 73 روپے

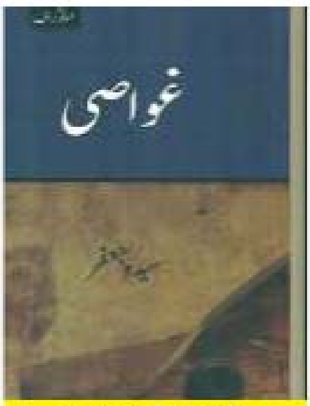

صفحات: 140، قیمت: 82 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 sales@ncpul.in, E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com

BACHON KI DUNIYA Monthly, December 2016, Vol. 04, Issue: 12
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S)- 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/11/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail:ncpulsaleunit@gmail.com,sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.